انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

نوری تا مارچ ۲۰۱۳ء

حیاتِ نو

مدیر: انیس احمد مدنی

مجلس ادارت:

مشرف حسین صدیقی فلاحی	دہلی
مقبول احمد فلاحی	لکھنؤ
ڈاکٹر عبدالباری فلاحی	دہلی
مولانا محمد اسماعیل فلاحی	جامعۃ الفلاح

فی شمارہ :	اندرون ملک	۳۰/روپے
	بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
سالانہ زرتعاون :	اندرون ملک	۱۲۰/روپے
	بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ :	اندرون ملک	۳۰۰۰/روپے
	بیرون ملک	۲۰۰/امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

نمائندے

لندن	رضوان احمد فلاحی
دہلی	نعیم احمد غازی فلاحی
علی گڑھ	ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی
ممبئی	حافظ ادہم علی فلاحی
نیپال	نذرالحسن فلاحی
یو.اے.ای.	خالد حسن رشید فلاحی
قطر	محمد اکرم فلاحی
کویت	محمد سموئیل فلاحی
سعودی عرب	انعام اللہ فلاحی

خط وکتابت کے پتے

- برائے ادارتی امور

انیس احمد مدنی، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج
اعظم گڑھ (یوپی)

- برائے انتظامی امور وترسیل زر

عرفان احمد فلاحی جامعۃ الفلاح، بلریا گنج
اعظم گڑھ (یوپی)-276121
موبائل:+91-9453757380
ای میل:hayatenau123@gmail.com

Composed by: **Mohd. Abuzar Azmi**
Azamgarh, Mob.: 9580147500

Layout Designing & Title Designing: **sajidkhalil**@gmail.com

Cell:+919999828273

نقوش حیاتِ نو

اداریہ

تعلیم اور اساتذہ کرام		۳

عظمت کے مینار

مطرف بن شخیرؒ	مولانا افتخار الحسن مظہری	۵

بحث ونظر

تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟	ماسٹر سید عبداللہ	۹

روشنی کا سفر

Michael Yip کا قبول اسلام	ابوذر اعظمی	۱۴

مقالات

قرآنی اسالیب دعوت	مولانا مقبول فلاحی	۱۶
قوم یہود اور امن عالم	فریدالدین فلاحی	۲۱
اسلام کا نظریہ طب وعلاج	مولانا ولی اللہ قاسمی	۲۸
السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ - ایک مطالعہ	محمد صلاح الدین عمری	۴۹
تفہیم القرآن - ایک مطالعہ	مولانا محمد اسماعیل فلاحی	۶۱

سفرنامہ

عبد معبود اور رنگ عبودیت	سعید اختر فلاحی	۶۳

مذاہب عالم

مجوسیت اور زرتشتیت (۲)	ابوارقم فلاحی	۶۶

جامعہ کے لیل و نہار	عبدالرقیب فلاحی	۶۷

تعلیم اور اساتذہ کرام

فرد اور معاشرے کی ترقی اس کی تعلیم پر موقوف ہے۔ کوئی معاشرہ اگر معاشی اور تہذیبی لحاظ سے ترقی کرنا چاہتا ہے، اقوام عالم کے امور ومسائل کے حل میں اپنی ساجھیداری اور عالمی اداروں میں اپنی قدر ومنزلت کا خواہاں ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے ابنائے وطن کو تعلیم سے نوازے، بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے مغفرت خداوندی اور جنت کے حصول کے لیے بھی تعلیم اور عمل شرط اولین ہے۔ "فاعلم أنه لا اله الا الله واستغفرلذنبك" اس بات کا علم حاصل کرو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں پر مغفرت طلب کرو۔

علم کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ تعلیم وتربیت سے محروم انسان سماج اور اپنے رب کے تئیں اپنے حقوق وفرائض ہی سے ناواقف نہ ہوگا بلکہ معاشرے کے امن وامان کے تئیں اپنی ذمہ داریوں سے ناواقفیت کی بنا پر ذاتی اغراض ومقاصد کے لیے سماج ومعاشرے کے حقوق کو پامال کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ نیز ناخواندہ مزدور کا عمل بھی خواندہ مزدور کے مقابلے میں کم تر درجے کا ہوگا۔

علم کی اسی اہمیت کی بنا پر قرآن وحدیث میں اس کے حصول کو امت کے ہر ہر فرد پر فرض قرار دیا گیا ہے "طلب العلم فريضة على كل مسلم "علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو اساتذہ کرام جو امت مسلمہ کے نونہالوں کی تعلیم وتربیت سے وابستہ ہیں ان کی ذمہ داریاں بے حد بڑھ جاتی ہیں، تعلیم وتربیت کے میدان میں ان کی کوتاہی پوری امت کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے بجائے اس سے کافی دور لے جاسکتی ہے۔ اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی ادا کرنے کے لیے اساتذہ کرام کو درج ذیل امور کا لحاظ کرنا ہوگا۔

(۱) تعلیم وتدریس انبیائی مشن ہے، آپ ﷺ نے بھی اپنا تعارف ایک معلم کی حیثیت سے کرایا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے "ان الله لم يبعثنى معَنِّتاًولا متَعَنِّتاًولكن بعثنى معلما ميسِّرا" تعلیم بھی دیگر عبادات کی طرح ایک اہم عبادت ہے بلکہ ایک حدیث میں اسے جہاد کے

مانند قرار دیا گیا ہے (الموطأ) لہذا پورے اخلاص وللّٰہیت اور ثواب کی نیت سے اس عمل کو انجام دینا چاہیے۔

(۲) تدریس ایک امانت ہے اور اس امانت کی ادائیگی میں کوتاہی کے لیے ہم خدا کے روبرو جوابدہ ہوں گے۔ لہٰذا زیردرس مضامین پر بھرپور تیاری کے بغیر اس فریضہ کو انجام دینا ہمیں خدا کی رحمت سے دور کرسکتا ہے کیونکہ ہر چیز کو عمدگی کے ساتھ انجام دینا مسلمانوں پر فرض کردیا گیا ہے "ان الله كتب عليكم الاحسان فى كل شىء" یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر ہر چیز میں عمدگی کو فرض کردیا ہے۔ ایک دوسری حدیث ملاحظہ ہو "ان الله يحب اذا عمل أحدكم عملاً أن يتقنه" یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی عمل کرے تو اسے عمدگی کے ساتھ انجام دے۔

(۳) تعلیم وتدریس کو بہتر طریقے سے انجام دینے کے لیے ایضاح وتوضیح کے جملہ وسائل کو استعمال کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ اپنے خطبات ومواعظ میں توضیح وتشریح کے لیے اس زمانے میں موجود جملہ وسائل توضیح کو استعمال کرتے تھے جیسے انگلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنا، ہاتھوں کے ذریعہ اشارہ، کنکڑیوں اور لاٹھی کا استعمال، زمین پر نقشہ بنانا، لکیریں کھینچنا، مجسم اور حقیقی اشیاء کا استعمال وغیرہ

(۴) استاذ کو طلبہ کے لیے اسوہ ہونا چاہیے۔ اس کا زہد وورع، تقوی اور پرہیز گاری طلبہ کے اندر روحانیت کو پروان چڑھائے گی اور تحقیق وتفتیش کے لیے اس کی قابل رشک جدوجہد طلبہ کے اندر تحقیق وانتاج کی روح بیدار کرے گی۔

(۵) طلبہ کے ساتھ عمدہ سلوک، ان کی آراء کا احترام، ان کی باتوں کو بغور سننا اور غلطیوں پر دلنشیں انداز میں ٹوکنا، یہ تمام امور استاذ کو طلبہ کی نگاہ میں محبوب اور پسندیدہ بنائیں گے جس کے بغیر تربیت کے فریضہ کو صحیح طریقہ سے انجام دینا ممکن نہیں۔

یاد رکھئے! آپ معلم دین واخلاق ہیں، اگر آپ نے ان امور کا پاس ولحاظ رکھا تو تین ایسی چیزیں حاصل ہوں گی جن کے سامنے دنیا اور اس کی تمام لذات ہیچ ہیں (۱) طلبہ اور سماج میں ذکر خیر (۲) اجر عظیم کا ذخیرہ "یاعلی لأن یھدی اللہ علی یدیک رجلاً واحدا خیرلک من الدنیا ومافیھا" (متفق علیہ) اے علی! اگر اللہ آپ کے ہاتھوں کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ چیز تمہارے لیے دنیا اور اس میں موجود تمام اشیاء سے زیادہ بہتر ہے۔ (۳) رضائے الٰہی کا حصول۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے تدریسی فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق بخشے۔

مطرؔف بن شخیرؒ

افتخار الحسن مظہری ☆

رسول اکرم ﷺ کے صحابی عبداللہ بن شخیر کے صاحبزادے مطرف بن شخیر بزرگ تابعی تھے۔آپ کی امامت وپیشوائی مسلم تھی۔متعدد صحابہ سے احادیث اخذ کیں،صحابہ کے پاکیزہ ماحول اور ایمانی فضا میں نشو ونما پائی۔اس لئے آپ کی شخصیت ایمان وعمل کا پیکر بن کے چمکی۔جس کے چند پہلو یہ ہیں:

نفس کے خطرات سے آگاہی:

مطرف بن شخیر نفس کی حقیقت و ماہیت سے باخبر تھے۔اس کا اندازہ ان کی اس بات سے ہوتا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

انسان،اللہ اور شیطان کے بیچ میں ہے۔اگر اس کے دل میں خیر ہوتا ہے تو اللہ اس کو اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔اور خیر نہیں ہوتا تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔اور جس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے وہ ہلاک ہوجاتا ہے۔کیونکہ نفس بھلائی ونیکی کی طرف کھینچ کے اس کو نہیں لے جائے گا۔ (الزہد: ۲۴۲)

لہذا جس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے وہ بڑے خطرے میں گھر جاتا ہے جس سے بچنا بہت مشکل ہے۔

محاسبۂ نفس

مومن کے دل میں کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ اللہ کے پاس پہنچ کر اس کو کیا ملے گا؟ چونکہ یہ ایک غیبی بات ہے اس لئے کوئی کتنے ہی ایمان وعلم کا مالک ہو، یہ بات اس کو نہیں معلوم ہوسکتی کہ اللہ نے اس کے لئے کیا فیصلہ کیا ہے؟ اس کو جنت دے گا یا کچھ اور؟

☆استاذ حدیث جامعۃ الفلاح،اعظم گڑھ

لیکن جب بار بار یہ خیال انسان کے دل میں آئے تو اس کو احتساب کرنا چاہئے کہ آخر اللہ کے اوامر ونواہی کی اس نے کتنی پابندی اور بجا آوری کی ہے۔جس شخص کو اس طرح کا خیال آئے، مطرف اس کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:

''جو شخص آخرت کی اچھائی یا برائی جاننا چاہتا ہے اس کو صرف اس بات پر غور کرلینا چاہئے کہ اس کے پاس اللہ کی طاعت کتنی ہے؟'' (الزہد: ۲۴۲)

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان زیادہ نیکیاں کرتا ہے تو نیکیوں کی وجہ سے دوسروں پر اپنی بڑائی و بزرگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ قرآن کی آیات ترہیب اس کے لئے نہیں ہیں۔اس کے لئے تو صرف وہ آیات ہیں جن میں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ایسے موقع پر نفس سے ہوشیار رہنا نہایت ضروری ہے۔حضرت مطرف بن شخیر نفس کی وسوسہ کاری سے کبھی غافل نہ رہتے۔چنانچہ حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں اپنے ایک ساتھی سے انھوں نے کہا''میدانِ عرفات میں کیسے کیسے نیک لوگوں کا اجتماع ہے،ان میں صرف میں ہی ایک گنہگار ہوں۔دوسرے نے کہا:اے اللہ میری وجہ سے ان کو اپنی رحمت سے محروم نہ کر۔ (الزھد:۲۴۴)

یہ بات یاس وقنوطیت کا مظہر نہیں ہے بلکہ صرف اس احساس پر مبنی ہے کہ زیادہ سمجھ کر مطمئن نہیں ہوجانا چاہئے بلکہ زیادہ سے زیادہ عمل کی کوشش ہمیشہ جاری رکھنی چاہئے اور جتنا بھی زیادہ عمل ہوجائے اس کو کم ہی سمجھا جائے تاکہ عمل کا جذبہ سرد نہ پڑ جائے اور انسان ہمیشہ عمل میں کوشاں رہے۔

خود پسندی سے بچنے کی تربیت

تابعین کرام خود پسندی سے بہت ڈرتے تھے۔وہ جانتے تھے کہ یہ نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے اور اس کا شکار ہوکر انسان عمل میں سہل انگاری کرنے لگتا ہے۔اسی خوف وڈر کی وجہ سے حضرت مطرف فرماتے ہیں:

رات بھر سونا اور صبح کو ندامت کے آنسو بہانا میرے نزدیک اس بات سے بہتر ہے کہ رات بھر نماز پڑھی جائے اور صبح کو خود پسندی اور دوسروں کے مقابلے میں اپنی برتری کی نمائش کی جائے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱۹۰/۴)

کیونکہ جو عبادت بندگی کے احساس کو قوت دینے کے بجائے غرور کا باعث ہو وہ بے

نتیجہ ہے۔اسی لئے حضرت مطرف بصراحت کہتے ہیں:

''جس مجلس میں بھی میری تعریف کی گئی، مجھے اس سے دکھ ہوا۔''

جب تابعین کرام کو اپنی تعریف سن کر دکھ ہوتا تھا، تم ہم کیوں اپنی تعریف سن کر خوش ہوتے ہیں۔ہم کو توان سے زیادہ اپنے نفس سے ڈرنا چاہئے۔

اخوت کی لگن

اخوت بھی اصلاح نفس کا ایک ذریعہ ہے۔کیونکہ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے آئینہ کی مانند ہے۔اس لئے نیک لوگ اللہ واسطے کی اخوت کے بڑے دلدادہ ومشتاق ہوتے ہیں، تا کہ یہ نیک لوگ نفس کی اصلاح وتربیت میں معین و مددگار ثابت ہوں۔اسی خیال سے تابعین اخوت کے حقوق کی بڑی رعایت کرتے تھے۔حضرت مطرف فرماتے ہیں:

نیک ہمنشیں تنہائی سے بہتر ہے اور تنہائی بد ہمنشیں سے بہتر ہے۔ (الزھد:۲۴۱)

جب کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ہو تو تنہا رہنا اس سے بہتر ہے کہ ایسے شخص کی ہمراہی اختیار کی جائے جو شیطان اور بدی کے راستہ پر لگا دے۔

مطرف کہتے تھے نیک دوستوں کی ملاقات اہل وعیال کی ملاقات سے بہتر ہے۔اہل و عیال کہیں گے اے ابو، اے ابو اور نیک دوست میرے لئے دعائے خیر کریں گے۔(الزھد:۲۴۲)

وہ فرماتے ہیں: کوئی بیوہ جتنی محتاج ہوتی ہے اس سے زیادہ میں نیک دوستوں کا محتاج ہوں۔ (الزھد: ۲۴۵)

دعا کی تربیت

حضرت مطرف بن شخیر دعا کو صرف تربیت کا ایک وسیلہ ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسے سرتاپا خیر وفلاح تصور کرتے تھے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

میں نے بڑی کوشش کی اور غور وفکر سے بھی بہت کام لیا تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کون سی چیز خیر و برکت کی جامع ہے۔بہت سی چیزیں حسنات وخیرات سے پر ہیں۔روزہ، نماز وغیرہ سب خیر ہی خیر ہیں لیکن روزہ نماز کا سارا خیر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔جب اس سے مانگا جائے گا تب وہ دے

گا اور جب ہر خیر مانگنے پر ہی منحصر ٹھہرا تو پھر دعا تمام خیر وبرکت کی جامع ٹھہری۔ (الزھد:۲۴۴)

دعا ہر طرح کے خیر و برکت کی جامع کیوں ہے؟ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''دعا اپنی بے بسی وناتوانی کا اظہار ہے اور اللہ کی بے پایاں قدرت کے یقین کا مظہر۔ اسی کے ساتھ اپنی محتاجی اور اللہ کے غنی ہونے کا عقیدہ وایمان کا اعلان ہے۔اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے دعا کو اصل عبادت قرار دیا۔فرمایا: ''**الدعاء هو العبادة**'' (دعا اصل عبادت ہے۔) حضرت مطرف یہ دعا اکثر مانگا کرتے تھے:

''اے اللہ! مجھے اپنی امان میں رکھ، بادشاہوں کے شر سے، ان کے قلم کے شر سے، اس بات کے شر سے کہ میں کوئی موجب ریا بندگی کی بات کہوں اور تری رضا کے سوا کوئی دوسری شے چاہوں، اس کام کے شر سے جو تیرے یہاں رسوائی کا موجب ہو، اس بات کے شر سے کہ تو نے جو علم مجھ کو عطا کیا ہے اس کی سعادت میں کوئی دوسرا مجھ سے آگے بڑھ جائے، اس بات کے شر سے کہ میں دوسروں کے لئے عبرت کا سامان بنوں، اس بات کے شر سے کہ مجھ پر کوئی افتاد پڑے تو اس سے چھٹکارا پانے کے لئے کسی معصیت کا سہارا لوں۔'' (الزھد: ۲۴۲)

پناہ طلب کرنے کا مطلب ہے قوی تر کا سہارا لینا، اللہ تعالیٰ سب سے قوی تر ہے۔اس لئے اسی کا سہارا صحیح معنوں میں سہارا ہے۔اس کے سوا کوئی نہیں جہاں بندے کو امان ملے۔اس لئے اپنی دعا کا آغاز بیرونی شر سے بچاؤ اور حفاظت کی التجا سے کیا۔بیرونی شر میں بے راہ سلاطین وامراء کا شر سب سے نمایاں تھا۔اس لئے پہلے اس سے پناہ مانگی، اس کے بعد داخلی شر سے پناہ مانگی۔داخلی شر میں سب سے خطرناک ریا تھی۔اس لئے اس سے ابتدا کی۔پھر دوسرے عام شر سے پناہ مانگی۔پھر آخر میں اس سے پناہ کی دعا مانگی کہ مصیبت کے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔دعا کے معانی ومطالب پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ الہامی دعا ہے۔یہ الہام اسی کو ہو سکتا ہے جس نے نفس کی تربیت تابعین کے طریقہ اور ان کے اصول کے مطابق کی ہو۔جس کے نتیجہ میں اس کا دل ان تمام شرور کے خوف سے لبریز ہو کر اللہ تعالیٰ کو اپنا سہارا بنالے تا کہ وہ اپنی رحمت وقدرت کا سہارا دے کر اس کو اس شر سے بچالے۔

☆☆☆

تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

ماسٹر سید عبداللہ☆

محترم جناب مدیر صاحب
حیات نو، سہ ماہی، بلریا گنج، اعظم گڑھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ کرے کہ بخیر وعافیت ہوں۔

یکم رمضان المبارک بمطابق ۲۱/جولائی ۲۰۱۲ء کو ہندی روزنامہ 'ہندوستان' میں خشونت سنگھ صاحب کا ایک مضمون پڑھا۔ خشونت سنگھ صاحب کا نام انگریزی اور ہندی پڑھنے والوں کے لیے محتاج تعارف نہیں ہے۔ موصوف ایک بزرگ مصنف اور صحافی ہیں۔ بہت اچھا لکھتے ہیں۔ میں بھی ان کی انگریزی اور ہندی تحریریں پڑھتا رہا ہوں۔ ان ہی کے بقول انھیں اردو شاعری کی فہم دوسروں سے زیادہ ہے۔ فارسی بھی جانتے ہیں۔ اس مضمون میں ایک ذیلی عنوان 'نہیں ہے بھگوان' کے تحت انھوں نے لکھا ہے کہ............

'دراصل کوئی سرجن ہار نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ بھگوان نے ہمیں بنایا، اصل میں ہم نے بھگوان کو بنایا ہے۔' سرجن ہار بمعنی خالق۔ 'ہندوستان' اخبار کے جس کالم میں موصوف کی تحریریں چھپتی ہیں اس میں اوپر 'برا مانو یا بھلا' اور نیچے 'یہ لیکھک کے اپنے وچار ہیں' لکھا رہتا ہے۔ [لیکھک: مصنف، وچار: خیال]

مضمون پڑھنے کے بعد خیال ہوا کہ میں بھی اپنے 'وچار' قلم بند کروں۔ میرا یہ مضمون نہ تو خشونت سنگھ صاحب کے کسی سوال کا جواب ہے اور نہ ہی ان کے خیالات کی تردید بلکہ یہ میرے اپنے وچار ہیں۔

اگر آپ اپنے موقر جریدہ 'حیات نو' میں اس مضمون کے لیے گنجائش پیدا کر سکیں تو بہت مشکور ہوں گا۔

والسلام

ماسٹر سید عبداللہ
جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ
۲۳/۷/۲۰۱۲ء

☆استاد انگریزی جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

ایک بزرگ مصنف اور صحافی نے 'نہیں ہے بھگوان' کے ذیلی عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

'ایک بار پھر کچھ دارشنکوں اور دھرماچاریوں کا بھگوان کے ہونے میں بھروسہ جم گیا ہے۔ وے اسے کئی ناموں سے پکارتے ہیں، وہ برہما ہو سکتے ہیں جنھوں نے دنیا بنائی۔ وہ اللہ، رب پرمیشور یا واہے گرو ہو سکتے ہیں۔ اب آپ اسے کوئی بھی نام دیں اس کی جگہ وہی ہے دنیا بنانے والے کی۔'

اسے ماننے والوں سے ایک سوال پوچھا جانا چاہیے۔ اگر اس نے دنیا بنائی تو پھر اسے کس نے بنایا؟ ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ سچائی یہ ہے کہ دھرتی پر کوئی زندگی لایا نہیں، وہ تو تمام زندہ پراڑیوں کی طرح وکست ہوئی۔ اسے کسی شخص نے نہیں بنایا۔ اب آپ اسے کچھ بھی نام دے لیں۔ دراصل کوئی سرجن ہار نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ بھگوان نے ہمیں بنایا، اصل میں ہم نے بھگوان کو بنایا ہے۔' [دارشنکوں: فلسفیوں، دھرماچاریوں: علماء دین، پراڑیوں: جانداروں۔ وکست: ترقی یافتہ/ ارتقاء یافتہ۔ سرجن ہار: خالق]

بالکل اسی طرح کی بات سالوں پہلے میرے ایک شاگرد نے جے این یو سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کہی تھی۔ اس وقت اس کے منہ سے بو آ رہی تھی، جو مجھے اچھی نہیں لگی۔ ایسی باتیں اور سارے لوگ کرتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ اس دنیا میں بھگوان کو گالی دینے والے بھی موجود ہے۔

عجیب بات ہے، نہ تو انسان کی عزت محفوظ ہے اور نہ ہی بھگوان کی۔

بھگوان، برہما، اللہ، رب، پرمیشور اور واہے گرو کے ہونے یا نہ ہونے کی بحث بہت پرانی ہے۔ اس مسئلہ پر بہت ساری بحثیں اور مناظرے ہو چکے ہیں۔ کافی کچھ لکھا بھی جا چکا ہے مگر مسئلہ اب بھی باقی ہے۔ اب خدا کو منوانے یا انکار کروانے کے مسئلہ میں پہلے جیسی شدت نہیں رہی، پھر بھی دونوں طرح کے لوگ اپنے خیالات کی تبلیغ میں اب بھی لگے ہوئے ہیں۔

غور کرنے پر محسوس ہوتا ہے کہ خدا کے ہونے کی بنیاد 'عقیدہ' ہے اور نہ ہونے کی بنیاد 'سائنس' ہے۔ عقیدہ کا تعلق روح، دماغ اور دل سے ہے جبکہ سائنس کا تعلق انسان کے عقلی مفروضوں سے ہے۔ سائنس مفروضوں کی بنیاد پر ہی اپنی ترجیہات طے کرتی ہے اور اسی کے مطابق تجربات کرتی ہے۔ اپنے تجربات میں کبھی وہ کامیاب ہو جاتی ہے تو کبھی ناکام۔ عقیدہ بھی کبھی کمزور اور کبھی طاقتور ہوتا رہتا ہے۔ عقیدہ والے ہر طرف خدا کی کارفرمائی محسوس کرتے ہیں، جبکہ سائنس

کے ذریعہ ایک کے بعد دیگرے فطرت کے راز کھول کر خدا کے نہ ہونے کی بات کہی جاتی ہے۔اس طرح خدا کو ماننے والے اور نہ ماننے والے اپنے اپنے ہمنواؤں کے ساتھ اپنے اپنے عقیدہ کی تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں۔

مگر اب تک نہ تو عقیدہ والے خدا کو دکھا سکے اور نہ ہی سائنس والے کسی تجربہ گاہ میں خدا کے 'عدم وجود' کو ثابت کر سکے۔اب تک دونوں جانب کے لوگ دلیلوں کا ہی سہارا لے رہے ہیں۔

فرانس اور سویزرلینڈ کی سرحدوں کے قریب زمین کے تقریباً تین سوفٹ نیچے، ایک تجربہ گاہ ہے جہاں سائنس داں برسوں سے God Particle (انتہائی اہم ذرہ) کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔حال ہی میں انھوں نے دعویٰ کیا تھا کہ انھوں نے God Particle تلاش کر لیا ہے یا وہ لوگ اس کی دریافت کے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں۔

God Particle کا ایک اور نام Higgs Boson بھی ہے۔صحافیوں اور سائنسدانوں کا مذہب پسند طبقہ، جس میں مشہور 'نوبل انعام' یافتہ سائنسداں Lederman بھی ہیں، اسے God Particle کہتے ہیں اور بقیہ سائنسدانوں اور صحافیوں کو اس نام پر اعتراض ہے۔وہ لوگ اسے Higgs Boson ہی کہتے ہیں۔

سائنسدانوں کا خیال ہے کہ God Particle ہی وہ انتہائی چھوٹا ذرہ ہے جس کا وجود کائنات کی تمام چیزوں میں ہے۔اسی کی وجہ سے کائنات وجود میں آئی تھی۔۱۳۰۷ کھرب سال پہلے ایک بہت بڑا دھماکہ (Big Bang) ہوا تھا۔اسی دوران God Particle وجود میں آیا تھا۔ اسی Big Bang کی وجہ سے کائنات بھی وجود میں آئی تھی۔

سائنسدانوں کے خیالات بسا اوقات صرف قیاس ہی ثابت ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر ایک زمانہ تھا جب Atom کو انتہائی چھوٹا ذرہ تصور کیا جاتا تھا مگر بعد میں اسی Atom کو توڑ کر Electron,Neutron اور Proton نکالے گئے۔اسی طرح ایک Theory بہت گرمجوشی کے ساتھ کچھ وقت تک رائج رہتی ہے بعد میں کسی نئی دریافت کے بعد اس Theory کی تردید ہوتی ہے اور نئی Theory اس کی جگہ لے لیتی ہے۔یہ سلسلہ چلتا آرہا ہے اور چلتا رہے گا۔

سائنسدانوں کا یہ خیال کہ God Particle 'اپنے آپ' وجود میں آیا تھا، تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ God Particle کے وجود سے پہلے کوئی اور طاقت 'اپنے آپ' موجود رہی ہو اور اسی

طاقت نے ایک خاص وقت اور حالت میں God Particle کو وجود بخش دیا ہو؟

اب یہ سائنسدانوں کا ہی کام ہے کہ وہ اپنے مطالعہ اور تجربہ کو God Particle سے پہلے کی طرف لے جائیں اور اس 'طاقت' کو تلاش کریں جو God Particle سے پہلے 'اپنے آپ' موجود رہی ہو اور اسی کے ذریعہ کائنات کی تمام چیزیں وجود میں آئی ہوں۔

اگر واقعی سائنسداں کائنات کے وجود کے راز سے واقف ہو گئے ہیں تو کیا وہ لوگ ویسا ہی کوئی دوسرا Big Bang کروا کر کسی دوسری کائنات کو وجود بخش سکتے ہیں؟ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو 'بھگوان' ایسا ضرور کر سکتا ہے کیونکہ وہ ایسا ایک بار کروا چکا ہے۔

اب ذرا انسان اپنی عقل کی بساط کے بارے میں سوچے کہ جو ذرہ ۱۳۰۷ کھرب سال پہلے اپنے آپ وجود میں آ گیا تھا اس کا مطالعہ اس نے اب شروع کیا ہے یعنی انسان عقلی اعتبار سے کائنات کے وجود کے راز سے ۱۳۰۷ کھرب سال پیچھے ہے۔

ایک دانشور نے انسانی وجود کی کم مائیگی کا اظہار ایک مثال کے ذریعہ کیا ہے کہ دنیا کی ساری ریت اکٹھا کی جائے اور اس میں سے ایک ذرہ اٹھا لیا جائے تو جو حیثیت اس انبار کے سامنے ریت کے اس ذرہ کی ہے وہی حیثیت کائنات میں انسان کی ہے۔اب اگر انسان کائنات میں اسی قدر بے وقعت ہے تو وہ بھلا اتنی بڑی کائنات کے راز سے کیسے واقف ہو سکتا ہے۔جس طرح دوسرے تمام اعضاء کی کارکردگی کی حدیں ہیں اسی قدر دماغ کے بھی کام کرنے کی حدیں ہیں۔اگر یہ حدیں نہ ہوتیں تو انسان کب کا کائنات کے سارے راز معلوم کر چکا ہوتا۔انسان بھی عجیب ہے یہ اپنی جسمانی طاقت سے تو کوئی بھاری وزن نہیں اٹھا سکتا مگر دماغ کو کائنات کے بوجھ تلے دبائے جا رہا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ 'وہ' ہمیں جتنا بتانا چاہتا ہے اتنا ہی ہم جان پاتے ہیں اور جو نہیں جان پاتے ہیں اس کے لیے صرف بکواس کرتے ہیں۔خالق کی ذات ہی وہ مرکزی ذات ہے جو سارے دماغوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ایک دوسرے دانشور کے مطابق:

'ہر ذی روح کا ایک دماغ ہوتا ہے اور اس کا تعلق ایک مرکز سے اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک روح کا رشتہ برقرار رہتا ہے' (ہمارے گاؤں ہمارے لوگ-ص ۱۲۳، رضوان اللہ، ایس ایچ آفسٹ پریس۔دہلی)

سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ وہ ابھی کائنات کے صرف ۵٪ حصہ کے بارے میں جان سکے ہیں۔ بقیہ ۹۵٪ حصہ جس کا ان کو علم نہیں ہے اسے وہ Dark Energy (نامعلوم توانائی) یا Dark Matter (نامعلوم مادہ) کا نام دیتے ہیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ کھربوں سال کے تجسس اور جدوجہد کے بعد انسان کائنات کے صرف ۵٪ حصہ کے بارے میں جان سکا ہے۔ وہ بھی صرف اس کی ہیئت کے بارے میں نہ کہ ماہیئت کے بارے میں۔ پتہ نہیں کائنات کی بقیہ ہیئت کے بارے میں سوچنے اور سمجھنے میں کتنے کھرب سال اور لگیں گے؟ بالفرض کھربوں سال کی مشقت کے بعد انسان کائنات کی ہیئت کے بارے میں جان بھی جائے تو اس کی ماہیئت کو سمجھنے میں انگنت کھربوں سال اور لگ جائیں گے۔

اگر یہ کام بھی انسان کامیابی کے ساتھ کرلے تو اس کو کائنات کے خالق کی تلاش کرنی ہوگی کیونکہ ایسا لگتا ہے کہ سائنسدانوں نے اب تک سرجن ہار (خالق) کی تلاش نہیں کی ہے۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا کائنات کی عمر اس قدر طویل ہے کہ انسان یہ سب کچھ کرسکے گا؟ ہوسکتا ہے کہ سائنسداں اور انکار کرنے والے لوگ اس سوال کا جواب جانتے ہوں مگر اندیشہ تو یہی ہے کہ اس وقت تک شاید کوئی دوسرا Big Bang ہوجائے اور کائنات ہی باقی نہ رہے۔

اس قیامت یا مہاپرلے کے بعد اگر اللہ، رب، پرمیشور یا واہے گرو ہوئے تو وہ اپنے ماننے والوں کو انعام واکرام سے نوازیں گے اور نہ ماننے والوں کو بغاوت کی سزا دیں گے۔

☆☆☆

دعوت وتبلیغ کے بعض آداب

انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا اہم پہلو یہ تھا کہ وہ حق بات کو مسلسل کہتے اور پہنچاتے ہی رہتے تھے۔ لوگوں کا انکار وتکذیب ان کے اپنے عمل اور اپنی لگن میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تھا۔ آج بھی دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہئے۔

Michael Yip کا قبول اسلام

ابوذر اعظمی☆

ایک مصری دوست کے ذریعہ میں اسلام سے متعارف ہوا جو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے پچھلے سال ہی نیوزی لینڈ آیا اور میرے ہی کلاس میں اس کا داخلہ ہوا۔ مجھے کبھی مذہب سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ یہ سچ ہے کہ اتوار کو میں چرچ جاتا تھا لیکن اس کا مقصد صرف اپنی مادری چینی زبان سیکھنا تھا، اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اپنے ہوش وحواس کی حد تک مجھے خدا کے بارے میں کوئی علم نہ تھا اور اس کا سبب دراصل مذہب سے بیزاری تھی۔ میرے والدین بدھ مذہب کے پیروکار رہے ہیں لیکن میرا مذہب کے بارے میں علم اتنا کم تھا کہ کچھ سالوں پہلے مجھے یہ بھی پتہ نہ تھا کہ اس کا صحیح نام کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جب میں اپنے نووارد دوست محمد سے ملا تو مذہب سے بالکل ناآشنا تھا۔

پہلے کچھ ہفتوں میں دوسرے ساتھیوں نے مذہب کے متعلق طرح طرح کے سوال کرکے محمد کو پریشان کرنا شروع کیا۔ وہ ان کے سوالوں کا مثبت انداز میں مسکت جواب دیتا۔ ان کے اس سوال وجواب کو سنتے سنتے میرے اندر بھی دلچسپی پیدا ہوئی تو میں نے بھی محمد سے اس کے مذہب اسلام کے متعلق کچھ سوال کیا اور اس طرح ہماری ایک دوسرے سے اچھی شناسائی ہوگئی۔

میں نے محمد سے قرآن کریم کے ایک نسخہ کی درخواست کی لیکن اسے پڑھنے کی فرصت نہ ملتی تھی، لہٰذا جب کچھ موقع میسر ہوا تو میں اپنے دوست کے والد کی عیادت کے لئے گیا جو ہمارے یہاں کی مسجد کے امام صاحب تھے، انھوں نے بالتفصیل اسلامی تعلیمات کچھ اس طرح بیان فرمائی کہ ایمان کا بیج میرے دل میں پیوست ہوگیا اور چند ہی دنوں بعد وہ میرے قبول اسلام کا سبب بنا۔ میں نے نومبر ۱۹۹۵ء میں کلمۂ شہادت پڑھا۔

مجھ سے بارہا سوال کیا جاتا ہے کہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ تو میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ میں نے اسلام میں بہت ساری باتیں ایسی پائیں جو مجھے اچھی لگیں جن میں بطور خاص

☆ سابق استاد جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

جن خوبیوں کا میں ذکر کرتا ہوں وہ ہیں: اسلام میں بھائی چارگی کا تصور، مسلمانوں کی ایک دوسرے کی خیر خواہی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام عقل کے معیار پر بھی کھرا اترتا ہے۔ مثال کے طور پر اسلام میں عورتوں کا حجاب کرنا تاکہ حرام سے بچا جاسکے، شراب کی حرمت، جو کہ برائیوں کی جڑ ہے اور اس طرح بہت سارے احکامات جن کا براہِ راست ہماری روزمرہ کی زندگی سے تعلق ہے۔ میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ ہمارے بہت سے ساتھی جنھوں نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر کے اسلام کو اپنایا ہے اسے فطرت سے قریب تر پایا ہے، اور ایسا ہی احساس میرا بھی ہے۔ نیوزی لینڈ جیسے الحاد پسند ملک سے تعلق رکھنے کے باوجود مجھے اسلام کی دولت ملی اس پر اللہ کا شکر و احسان ہے۔

الحمدللہ اسلام قبول کرنے کے بعد مسلسل اسلامی تعلیمات حاصل کر رہا ہوں اور اس کے احکامات سے واقفیت حاصل کر رہا ہوں اور دوسروں سے اس سلسلے میں رابطہ میں بھی ہوں۔ کالج کے کورس کے بعد جو وقت ملتا ہے قرآن کی کچھ سورتیں یاد کرتا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کچھ وقت اسلامی تعلیم کے حصول کے لیے بھی نکالتا ہوں۔ میرا ارادہ ڈاکٹر بن کر خدمت خلق میں مصروف ہونا ہے اور اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس میں کامیابی عطا فرمائے اور مجھے صحیح طریقہ سے راہِ مستقیم پر گامزن رکھے اور قدم قدم پر رہنمائی عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

دعوت وتبلیغ کے اہم اصول

اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہشمند ہو جو عقائد ونظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مختلف العقیدہ جماعت کو صرف اس چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہوسکتا ہے۔

(آخری قسط)

قرآنی اسالیب دعوت

مقبول احمد فلاحی

(٤٦) سمع، بصر، اور فواد (کان، آنکھ اور دل) کا درست استعمال

دراصل سمع بصر اور فواد یہ تینوں قوتیں انسانیت کا اختصاص ہیں۔ کائنات کی دیگر مخلوقات سے یہ تینوں قوتیں انسان کو ممیّز کرتی ہیں، اور انہیں قوتوں کی وجہ سے وہ مخلوقات میں اشرف بھی ہے اور مسئول بھی۔ ان قوتوں کے درست استعمال سے تعمیر وترقی ہوتی ہے اور نظم وضبط قائم ہوتا ہے اور ان کے غلط استعمال سے شر وفساد، تباہی و بربادی اور ظلم و ناانصافی کو فروغ حاصل ہوتا ہے، لہٰذا دعوتی محاذ پر کام کرتے وقت مخاطب کی ان تین بنیادی قوتوں کو چھیڑنا بے حد ضروری ہے۔ ان قوتوں کو استعمال نہ کرنے سے یہ سو جاتی ہیں اور غلط استعمال سے اس کے لئے اور اہل دنیا کے لئے عذاب بن جاتی ہیں۔ ان میں مرکزی حیثیت فواد یعنی دل کی ہے اور فواد کو خام مواد سمع اور بصر فراہم کرتے ہیں۔ تینوں کے مشترک عمل سے انسانی وجود کے حرکات وسکنات اور احساسات وجذبات پرورش پاتے ہیں۔

کوشش اس بات کی کی جائے کہ اول تو یہ قوتیں اگر مضمحل ہوگئی ہیں تو بیدار اور چاق و چوبند ہوجائیں۔ پھر قلب کو اپیل کیا جائے اور اسے درست مواد فراہم کیا جائے تاکہ اس کا سمت سفر درست ہو اور صحیح فیصلہ کرنے کا اہل ہو سکے۔ حکمت اور تدریج کے ساتھ اس نتیجہ پر توجہ مرکوز رکھی جائے کہ ایک انسان اور اس کا قلب حق سننے، حق دیکھنے، حق سوچنے، حق بولنے اور حقیقت کی بنیاد پر زندگی کے تمام معاملات کو استوار کرنے کا عادی بن جائے۔ انسانی ضمیر کو اس مقام پر پہنچادینے کے بعد دیکھئے کہ ایک فرد اسلام کی حقیقتوں کو کس تیزی کے ساتھ قبول کرتا چلا جاتا ہے۔

سلامت روی سے انحراف کے نتیجہ میں بے بصیرت آنکھیں بے سمت کان اور بے بہرہ دل دعوت کے مصرف کا نہیں رہ جاتا ہے۔ آنکھوں میں حقیقی نور پیدا کرنا، کانوں کو صدائے حق سننے اور دل کو قبولیت حق کے لئے آمادہ و تیار کرنا داعی کا اصل کارنامہ ہوتا ہے۔ ظاہری تدابیر کے ساتھ ان قوتوں پر

براہ راست اثر انداز ہونے والی چیز بارگہ رب العزت میں کی جانے والی عاجزانہ دعائیں ہوتی ہیں۔ ایک داعی کو ہر مرحلہ پر دعاؤں کا سہارا لیتے رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمع، بصر اور فواد جیسی عظیم نعمتوں سے نوازے جانے کا تقاضہ ہے کہ ان نعمتوں کی قدر کی جائے اور دینے والے کا شکر ادا کیا جائے بصورت دیگر یہ قیمتی جواہر سلب کر لئے جاتے ہیں اور انسان اپنا وجود کھو دیتا ہے۔ وھو الذی انشأکم السمع والابصار والافئدۃ، قلیلاً ما تشکرون ,,وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور سوچنے کو دل دئے۔ مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو،،(مؤمنون ۷۸)۔ لھم قلوب لا یفقھون بہا ، ولھم اعین لا یبصرون بہا ولھم اٰذان لا یسمعون بہا ، اولٰئک کالانعام بل ھم اضل ... ,,ان کے پاس دل و دماغ ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہے مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانور کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں۔،،(الاعراف ۱۷۹)افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بہا ، او اٰ ذان یسمعون بہا ، فانہا لا تعمی الابصار ولٰکن تعمی القلوب التی فی الصدور ,,کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں ،،(الحج ۴۶)ختم اللہ علیٰ قلوبہم و علیٰ سمعہم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ و لھم عذاب عظیم ,,اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ وہ سخت سزا کے مستحق ہیں،،(البقرۃ ۷)

(۴۷)تلقین عبرت:

کفر و شرک اور بغاوت و نافرمانی کی روش کی وجہ سے معاندین حق کو اکثر و بیشتر گاہے بگاہے چھوٹے بڑے چرکے لگتے رہتے ہیں۔ داعی ایسے ہر موقع کو اپنی دعوت کے لئے سازگار تصور کرتا ہے اور اس وقت جبکہ قلب کے اندر رجوع الی اللہ کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے یا مخاطب تنبیہ قبول کر سکتا ہے، موقع کی مناسبت سے انہیں اپنے مالک کی طرف پلٹنے، توبہ و استغفار کرنے اور بندگیٔ رب کی دعوت دیتا ہے۔ ان تستفتحوا فقدجاء کم الفتح ،وان تنتھوا فھو خیر لکم ،وان تعودوا نعد ، ولن تغنی عنکم فئتکم شئیاً و لو کثرت ، وان اللہ مع

المؤمنین ,,ان کافروں سے کہہ دو، اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو لو، فیصلہ تمہارے سامنے آ گیا۔ اب باز آ جاؤ، تمہارے ہی لئے بہتر ہے، ورنہ پھر پلٹ کر اسی حماقت کا اعادہ کرو گے تو ہم بھی اسی سزا کا اعادہ کریں گے اور تمہاری جمعیت خواہ وہ کتنی ہی زیادہ ہو تمہارے کچھ کام نہ آ سکے گی۔ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے،،(انفال ۱۹) قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف ، وان یعودوا فقد مضت سنت الاولین ,,اے نبیؐ، ان کافروں سے کہو کہ اگر اب بھی باز آ جائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے اس سے درگزر کر لیا جائے گا، لیکن اگر یہ اسی پچھلی روش کا اعادہ کریں گے تو گزشتہ قوموں کے ساتھ جو کچھ ہو چکا ہے وہ سب کو معلوم ہے،،(انفال ۳۸)ذٰلک بما قدمت ایدیکم ، وان اللہ لیس بظلام للعبید ,,یہ وہ جزا ہے جس کا سامان تمہارے اپنے ہاتھوں نے پیشگی مہیا کر رکھا تھا، ورنہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے،،(انفال ۵۱)

غزوۂ بدر بظاہر دو فریقوں کے درمیان ایک جنگ ہے۔ لیکن اس جنگی حالت میں بھی کفار و مشرکین کی شکست اور ذلت کے تناظر میں بار بار متوجہ کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ تمہارے ہی کرتوتوں اور بغاوت کا نتیجہ ہے۔ تم اپنی معاندانہ روش سے باز آ جاؤ۔ اللہ کو تمہارے حال پر ترس آ رہا ہے۔ شیطان تم کو دھوکہ دے رہا ہے۔ اللہ تم سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ تمہاری یہ حالت اسے اچھی نہیں لگ رہی ہے۔ چونکہ تم سمجھنے اور سدھرنے پر آمادہ نہیں ہو لہٰذا اس دردناک صورت حال سے دوچار ہوئے ہو۔ اب بھی اگر تم سوجھ بوجھ سے کام لے کر سنبھل جاؤ اور میری تعلیمات و میرے رسول کی مخالفت ترک کر دو تو میرا درعفو و درگزر ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ تم میری طرف آؤ میں تمھیں سینے سے لگانے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اگر بغاوت و ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے ہو تو کان کھول کر سن لو مجھ سے ٹکرا کر کامیاب کبھی نہیں ہو سکتے آئندہ بھی بار بار تمہیں ذلت و نکبت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اسی طرح مکہ کی زندگی میں قحط سالی اور دیگر پریشانیوں کے حوالے سے لوگوں کو اللہ کی طرف پلٹنے، اس کا شکر بجالانے اور اس کی کرم فرمائیوں کو یاد کر کے سر نیاز جھکا دینے کی تلقین کی گئی ہے۔ ضرب اللہ مثلاً قریۃً آمنۃً مطمئنۃً، یاتیہا رزقہا رغداً من کل مکان فکفرت بانعم اللہ فاذاقہا اللہ لباس الجوع والخوف بما کا نوا یصنعون ,,اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے۔ وہ امن اور اطمئنان کی زندگی بسر کر رہی تھی اور ہر طرف سے اس کو بفراغت رزق پہنچ رہا تھا کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفران شروع کر دیا۔ تب اللہ نے اس کے باشندوں کو ان کے کرتوتوں کا یہ مزا چکھایا کہ بھوک اور خوف کی مصیبتیں ان پر چھا گئیں،،(النحل ۱۱۲)

(۴۸)نصح و خیر خواهی :

ایک شخص داعی ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس کے قلب میں فتنہ وفساد اور تباہی و بربادی پر کڑھن اور بے چینی نہ ہو اور ساتھ ہی عام انسانیت کے لئے ہمدردی وخیر خواہی کے جذبات نہ ہوں ۔ سیدنا حضرت محمد ﷺ کی تڑپ اور انسانیت کے لئے دردمثالی نوعیت کی تھی ۔نبوت سے قبل بھی انسانیت کی تباہی وبربادی دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے اور اسے تباہی کے راستے سے روکنے کے لئے فکر مند رہا کرتے تھے ۔آپ کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ موجودہ بگاڑ پر کیسے قابو پایا جائے ، چاروں طرف لگی آگ کو کیسے بجھایا جائے اور کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ لوگ سکون وچین کی زندگی گزار سکیں ۔انہی مسائل پر غور وفکر کرنے اور راہ حق کی تلاش میں غلطاں و پیچاں اکثر غار حراء کا رخ کرتے تھے ۔بعد نبوت اسی کیفیت کا اظہار لوگوں کو آتش دوزخ سے بچانے کی شکل میں ہوتا ہے ۔آپ تڑپ تڑپ کر دیوانہ وار لوگوں کو سمجھاتے ہیں ،ان کو مختلف انداز میں ان کے اعمال بد کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرتے ہیں ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو بھی آپ کی بے چینی پر رحم آتا ہے اور فرماتا ہے ,,فلعلک باخع نفسک علیٰ اٰثارھم ان لم یومنوا بہٰذ الحدیث اسفاً ,,اچھا، تو اے نبیؐ، شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھودینے والے ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے ۔ (الکہف ۶)لقد جائکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤ منین رؤف رحیم ,,دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے ، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے،، (التوبہ۱۲۸)

(۴۹)یسروا ولا تعسروا ۔(آسانیاں پیدا کرو):

تعلیم وتربیت کا مسلمہ اصول ہے کہ اپنی بات آسان طریقے اور قابل فہم انداز سے پیش کی جائے ۔مقصود تک رسائی کے لئے ایک تدریجی ترتیب قائم کی جائے ۔آسان سے مشکل کی طرف بڑھا جائے اور انسان کی قوت برداشت اور اس کی ظاہری ومعنوی قوت متحملہ کے مطابق سبق دیا جائے ۔تبلیغ و تفہیم کا آسان راستہ اختیار کیا جائے ۔

اسلام ایک مکمل انقلاب ہے اور یہ انقلاب زمینی حقیقت ہے جو اس دنیا میں برپا ہوا ۔اس عظیم انقلاب کا بنیادی خمیر داعی ہے ۔اسی دعوت کے راستے انقلاب کی منزل آتی ہے ۔بسا اوقات جلد

منزل پالینے کے جوش میں حکمت اور ہوش کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے اور اس کا براہ راست منفی اثر مقصود پر پڑتا ہے ۔لہٰذا بہت صبر وتحمل، حکمت وہوش مندی کے ساتھ ایک ایک قدم اٹھانا چاہئے ۔چونکہ اسلام مبنی برعقل ایک نظام حیات ہے ۔اس لئے اس نہایت معقول شے کو منوانے کے لئے طریقہ بھی معقول ہی اختیار کرنا چاہئے ۔رائے عامہ ہموار کرنا ، اسلام کی صداقت دلائل سے واضح کرنا، اس کے دنیوی واخروی فائدوں سے روشناس کرانا اور ایک مخصوص تدریج اور ترتیب کے ساتھ قدم بہ قدم آگے بڑھنا ہوتا ہے ۔مدعوئین ومخاطبین کی ذہنی سطح اور قبولیت کے جراثیم سب کے اندر الگ الگ ہوتے ہیں لہٰذا ان سب امور کی رعایت کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات واحکامات کو نافذ کیا جاتا ہے ۔یہ اسلوب متقاضی ہے کہ اسلام اور اس کی ایک ایک بات کو انسانوں کے فائدے میں ان کے مالک کے حوالے سے پیش کیا جائے ۔اس ترتیب سے بڑھا جائے کہ اسلام پر عمل کرنا مخاطب کو بوجھ نہ لگے ۔,, یا ایہا الذین اٰمنوا لا تحرموا طیبٰت ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ، ان اللہ لا یحب المعتدین ,,اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کرو، اللہ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں(المائدہ۸۷)واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلٰوۃ، ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا...,,اور جب تم سفر کے لئے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں اختصار کردو (خصوصاً) جب کہ تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے(النساء ۱۰۱، ۱۰۲)...وان کنتم مرضیٰ اوعلیٰ سفر او جاء احد منکم من الغائط او لٰمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیداً طیباً... ,,اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے لمس کیا ہو، اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو، بے شک اللہ نرمی سے کام لینے والا اور بخشش فرمانے والا ہے(النساء۴۳) وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ ، ھو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج..,,اور اللہ کی راہ میں جہاد کروجیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے ۔اس نے تمہیں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے ۔(الحج ۷۸)

☆☆☆

(آخری قسط)

قومِ یہود اور امنِ عالم

فرید الدین فلاحی ☆

اینٹی ڈی فیمیشن لیگ اور سے AIPAC دو تنظیموں کے الگ الگ پچاس ہزار ممبران ہیں۔ اینٹی ڈی فیمیشن لیگ تکنیکی طور پر BNAI BRITH کی ایک ذیلی تنظیم ہے جس کے دنیا بھر میں تقریباً ۵ لاکھ ممبران ہیں لیکن یہ اپنے فنڈ خود اکٹھا کرتی ہے اور کافی حد تک خودمختاری حاصل کر چکی ہے۔

واشنگٹن میں جو لابی ہے اس کے اثر و نفوذ کا دار و مدار امریکن یہودیوں کے ان دو سو سے زائد گروپوں پر ہے جو انھوں نے قومی پیمانے پر قائم کر رکھے ہیں۔ اس لابی کا مقبول ترین نیوز لیٹر بنام Near East Reporter تقریباً ساٹھ ہزار افراد کو بھیجا جاتا ہے۔ اس تنظیم کے خیال میں ان تمام امریکی شہریوں کو جن کی کسی بھی قسم کی ذمہ داری ہے، اسرائیل نواز سیاسی مفادات کی حفاظت کرنی چاہیے۔ وہ AIPAC میں دلچسپی رکھتے ہوں یا BNAI BRITH، امریکن جیوش کمیٹی، اینٹی ڈی فیمیشن لیگ، جیوش نیشنل فنڈ، متحدہ جیوش اپیل یا اور کوئی بھی قومی گروپ ہو وہ اس کو پڑھتے ہیں۔ یہ نیوز لیٹر اعزازی طور پر تمام ذرائع ابلاغ، کانگریس اراکین، اہم سرکاری عہدیداروں اور دوسرے خارجہ پالیسی میں ممتاز افراد کو بھیجا جاتا ہے۔ AIPAC کے ممبران کو یہ نیوز لیٹر ۳۵ ڈالر چندہ کے عوض بھیجا جاتا ہے۔

عملی طور پر تمام گروپ اسرائیلی حکومت کے اعزازی نمائندوں کے طور پر کام کرتے ہیں یہودیوں کی کوئی بھی قابل ذکر تنظیم علانیہ طور پر کسی ایسے مسئلہ کی مخالفت نہیں کرتی جو اسرائیلی حکومت کی پالیسی کے مطابق ہو۔ واضح طور پر امریکہ میں ایک اہم ترین یہودی سیاسی قوت ہے۔

AIPAC کے منشور میں اس کا مقصد قانون سازی درج ہے لیکن اب یہ ہر اس بات میں اسرائیلی مفادات کا تحفظ کرتی ہے جو اس کے نقطۂ نظر سے امریکی ذرائع ابلاغ میں مذہبی محاذ پر یا

☆ ریاض، سعودی عرب

امریکی کالج کیمپسوں میں، الغرض ہر جگہ اسرائیل مخالف نظر آئے۔ چونکہ AIPAC کے ملازمین کو تنخواہ امریکن لوگوں سے جمع شدہ چندہ سے ادا کرتی ہے اس لئے اسے غیر ملکی رجسٹریشن ایکٹ کے ماتحت رجسٹر کرانے کی ضرورت نہیں لیکن کام وہ غیر ملکی ایجنٹوں والا کر رہے ہوتے ہیں۔ ان سالہائے گزشتہ میں اسرائیل لابی امریکی نظامِ حکومت میں اچھی طرح گھر کر چکی ہے اور موثر ترین گروپ AIPAC ہے۔

جنوری ۱۹۸۴ء میں جریدہ واشنگٹن نے مسٹر تھامسن ڈائن کو دارالحکومت میں ممتاز ترین اصحاب میں شامل کیا۔ مختصراً یہ کہ بے مثال صدارتی رعایت ڈائن کے دل میں گھر کر لینے والے رویہ، مضبوط انتھک جذبے اور متحرک طبیعت کو ایک خراج تحسین تھا۔ ڈائن کے دور میں AIPAC کے ممبران کی تعداد گیارہ ہزار سے بڑھ کر پچاس ہزار سے زائد ہوگئی تھی اور اس کا سالانہ بجٹ جو کہ پہلے ساڑھے سات لاکھ ڈالر تھا اب تیس لاکھ ڈالر سے تجاوز کر چکا تھا۔ کانگریس کی بیشتر تجاویز جو مشرقِ وسطیٰ پالیسی پر اثر انداز ہوتی ہیں وہ یا تو AIPAC کی منظور شدہ ہوتی ہیں یا پھر انہی کی تجویز کردہ۔

اسرائیل کے لئے یہ کارنامے انجام دینے کے لئے کبھی صدر امریکہ کی معاونت اور کبھی مخالفت کے لئے AIPAC کا ڈائریکٹر مسٹر ڈائن قابل پیشہ افراد کی انتھک جدوجہد کرنے والی ٹیم کو استعمال میں لاتا ہے اور ہم آہنگی سے چلاتا ہے۔ وہ پالیسی لائن کو واضح اور کارندوں کو منظّم رکھتا ہے۔ AIPAC کا کام اسرائیل کی پالیسیوں کی حمایت کرنا ہے نہ کہ ان کو مرتب کرنا۔ لہٰذا AIPAC روزانہ اسرائیلی سفارت خانہ سے رابطہ رکھنے کا پابند ہے اور ڈائن ہفتہ میں کم از کم ایک بار ضرور سفارت خانہ کے عملہ سے ذاتی طور پر ملاقات کرتا ہے۔ AIPAC کا عملہ صرف ۶۰ افراد پر مشتمل ہے جو کہ دوسری کئی بڑی یہودی تنظیموں سے کہیں کم ہے، لیکن پھر بھی اسے قومی پیمانے پر ایک رضا کار اور شدت پسند گروپ کی خدمات سے بلا معاوضہ استفادہ کرنا میسر ہے۔ واشنگٹن میں سالانہ ممبر شپ اجلاس ان دستوں کو متحرک رکھنے کا کام دیتے ہیں۔

AIPAC کے ڈپٹی ایگزیکیٹو ڈائریکٹر ART CHOTIN نے گروپ کو رپورٹ پیش کی اور بتایا کہ سالِ گزشتہ دس مختلف ریاستی ورک شاپوں 'برائے سیاسی دخل اندازی' نے اسرائیل نواز کمیٹی کو وہ ہنر عطا کیا جو مؤثر ہونے کی ضمانت ہے۔

اس طرح کی قومی کانفرنسیں ایک انتہائی مربوط پروگرام کے تحت پانچ مختلف حلقوں میں منعقد کی جاتی ہیں۔ یہ صدر مقام ہیں: اٹلانٹا، فورٹ ورتھ، ہالی ووڈ، Des Moiness اور

شکاگو۔اوران تمام جگہوں سے ایک ایک چیئر مین AIPAC کی تمام مقامی حلقوں کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ان Outreach پروگراموں کے لئے اب کل وقتی اسٹاف نیویارک، نیوجرسی اور کیلی فورنیا میں رکھا ہوا ہے۔

دوسرے ہم خیال گروپوں کے ساتھ باہمی ربط کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔عیسائیوں کے ساتھ روابط بڑھانے کے لئے تازہ ترین قومی پروگرام Merrie White کا متعارف کرایا۔

AIPAC کا ساحل سے ساحل تک Outreach پروگرام تقریروں سے مزید مؤثر ہوجاتا ہے۔صرف ۱۹۸۲ء میں ۹۰۰ سے زائد موقعوں پر اس کے افسران، اسٹاف اور نمائندوں نے تقاریر کیں۔چھوٹے شہروں میں بھی استقبالئے منعقد کئے جاتے ہیں۔Parlor Briefings جو یہودی لیڈروں کے گھروں میں منعقد کی جاتی ہیں قومی پیمانے پر آمدنی کا ذریعہ ہیں جو کہ ممبر شپ چندہ کی کمی کو پورا کرتا ہے۔کیپٹل ہل پر جو سماجی تقریبات ہوتی ہیں ان کے باعث بھی ان ہزاروں ہائی اسکول بچوں، کالج طلباء کو پیغام رسانی کا موقع ملتا ہے جو سینیٹرز اور کانگریس ممبران کے کمیٹی دفاتر میں بطور رضا کار کام کرتے ہیں۔AIPAC کے بنیادی عناصر کو ان دوروں سے بھی مدد ملتی ہے جو دوسرے یہودی گروپ اسرائیل یاترا کے لئے منظّم کرتے ہیں۔اپریل ۱۹۸۲ء میں ۱۵۰۰ امریکی یہودیوں کو اسرائیل کا ہفتہ بھر دورہ کرایا۔یہ دورے صرف یہودیوں کے لئے نہیں ہیں۔گورنر، ریاستی ممبران، قانون ساز اسمبلی، کمیونٹی لیڈر اور ذرائع ابلاغ کے کارکنان سب کو بھی اسرائیل کا مفت دورہ کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔کانگریس کے آدھے سے زائد ارکان اسرائیل کا دورہ کرچکے ہیں اور ان میں سے تقریباً نصف سرکاری دورہ بنا کر امریکی انتظامیہ کے خرچ پر گئے ہیں۔بقیہ تقریباً سبھی کے یہودی تنظیموں یا افراد کے خرچ پر گئے۔

AIPAC کے دور رس پروگرام کو مسلسل تصنیف و تالیف سے سہارا ملتا ہے۔Alert Action (ایکشن الرٹ) کی اشاعت کے علاوہ ہفتہ وار Near east report، دیگر معلوماتی پمفلٹ اور مونوگرام شائع ہوتے ہیں جن کا مقصد اعتراضات کا جواب دینا، معترضوں کو بے وقعت کرنا اور اسرائیلی مقاصد کی آبیاری کرنا ہوتا ہے۔

ایکشن الرٹ کے ذریعہ ایک ہزار سے زائد یہودی لیڈروں کو امریکہ کے طول و عرض میں حالاتِ حاضرہ سے مطلع رکھا جاتا ہے۔''الرٹ'' موصول ہونے کا مطلب عموماً کیپٹل ہل پر کسی متوقع قانون سازی کے چیلنج کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔یہ مقصد فون کال کرکے، تار دے کر یا بشرطِ ضرورت

ذاتی ملاقات کرکے ناموافق کانگریس ممبر کو قائل کرکے حاصل کرنا ہوتا ہے۔

AIPAC کے ۴ لابسٹ (Lobbyist) ہیں۔ڈگلس بلوم فیلڈ، ٹرن برگر، ایتھر کرز اور ایل ایل لیوی۔یہ چاروں آپس میں ہاؤس اور سینیٹ کے تمام ممبران کو تقسیم کر لیتے ہیں۔درحقیقت مٹھی بھر قانون ساز کلید کامیاب ہوتے ہیں۔لہٰذا ہر ایک لابسٹ کو تقریباً ۳۰ قانون ساز ممبران پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔وہ اپنی توجہ ان بارہ ریاستوں کے نمائندوں پر مرکوز رکھتے ہیں جن میں یہودی آبادی کم از کم ۳ فیصد ہے۔

حقیقت میں وہ ہر ممبر کانگریس اور سینیٹر کے بارے میں ایک تفصیلی فائل مرتب کئے رکھتی ہے۔مثلاً کمیٹیوں میں ووٹ، قانون کے مسودے میں شراکت، خطوط کا اجراء وغیرہ

پورے ایوان کا اور اسرائیلی امداد کا کوئی معاملہ بھی AIPAC کے کم از کم ایک نمائندے کی موجودگی کے بغیر زیر بحث نہیں آتا۔اس کی شرکت سے اسرائیل کے خلاف کوئی بھی نکتہ چینی فوراً چیدہ چیدہ رائے دہندوں کو مہیا کردی جاتی ہے۔بیچارہ کانگریس ممبر اپنی کمیٹی کی کارروائی سے فارغ ہوکر اپنے دفتر پہنچتا ہے تو احتجاجی ٹیلی فون کالوں کی بھرمار شروع ہوجاتی ہے۔

اسرائیلی کنشت یعنی پارلیمنٹ میں اسرائیل پر تنقید آسان لیکن امریکی کانگریس میں دشوار ہے اور وہ بھی اس آزادی گفتار والی سرزمین پر۔

امریکی امداد کے خلاف (اسرائیل کے لئے) اور P.L.O. کی حمایت میں کوئی بات بھی قابل قبول نہیں۔بقول ہیملٹن ''جو کانگریس اور مشرقِ وسطیٰ دونوں پر عبوری نظر رکھتا تھا'' ہمیں تو صرف اسرائیل کو دی جانے والی امداد کو بڑھانا آتا ہے۔

امریکن حکومت اور P.L.O. کے درمیان ہرگز کوئی رابطہ نہ کیا جائے جب تک P.L.O. اسرائیل کو تسلیم نہ کرلے۔

پنٹاگون دریائے پوٹومیک کے کنارے ایک وسیع و عریض بلڈنگ ہے۔یہ اپنے اندر وزارتِ دفاع کے بیشتر مرکزی ہیڈ کوارٹر سموئے ہوئے ہے۔یہ ان اقدامات اور افواج کی اعلیٰ کمان کا مرکز ہے جو امریکیوں کو اس پرخطر دنیا میں سلامتی مہیا کرتی ہے۔Potanac کے دوسرے کنارے پر اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ ہے جو دنیا بھر میں پھیلے قومی سفارتی مراکز کا دفاع ہے۔ان عمارات میں وہ ذرائع واقع ہیں جن میں سے ہزاروں خفیہ پیغامات گزرتے ہیں۔ان عمارات میں پیشگی کلیرنس اور خصوصی پہچان کے بغیر داخل ہونا محال ہے۔ہر جگہ مسلح گارڈ دکھائی دیتے ہیں۔۱۹۸۲ء

میں کنکریٹ کی دیواریں بنادی گئیں اور بھاری سڑک حساس مقامات پر پارک کئے گئے تا کہ کوئی شدت پسند اگر حملہ کرے تو یہ اقدامات بطور اضافی دفاعی حصار کے کام آئیں۔ یہ عمارات دو قلعے ہیں جہاں بہت ہی قیمتی قومی راز جدید ترین ٹیکنالوجی سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔

اسرائیل کو حیرتناک انداز میں پہنچادئے جاتے ہیں۔ اسرائیل کو خفیہ معلومات مہیا کرتے پکڑا بھی جائے، جو شاذونادر ہی ہوتا ہے تو اس کی تحقیقات نہیں ہوتی۔ اسرائیلیوں کو جب بھی تکنیکی یا سیاسی راز درکار ہوتے ہیں وہ بغیر کچھ خرچ کئے ان کو ماخذ مل جاتے ہیں۔ ان کے رضا کار مربی ہر جگہ موجود ہیں۔

۱۹۷۳ء کی جنگ میں اسرائیل نے پنٹاگون سے ٹینک کی جو مقدار طلب کی تھی اسے پوری کرنے میں کچھ دوسری ۹۰ ملی میٹر کی توپ والی دی گئی جبکہ مطالبہ ۱۰۵ ملی میٹر والی توپ کی تھی اور اس کے ساتھ گولے بھی دئے گئے، مگر ۹۰ ملی میٹر کے گولے تھے۔ بعد میں جب اس گولے کا مطالبہ ہوا تو پنٹاگون سے جواب ملا کہ ’’ہم نے دیانت داری سے وہ اسلحہ تلاش کیا، ہر جگہ اور ہر فوجی برانچ، آرمی، نیوی، میرینیز میں تلاش کیا۔ ہمیں کہیں بھی ۹۰ ملی میٹر کے گولے نہ ملے۔‘‘ اسرائیلیوں نے چند دن بعد ایک حیران کن پیغام بھیجا: ’’جی ہاں۔ یہ آپ کے پاس ہیں۔ ہوائی کے Marin Corps سپلائی ڈپو میں راؤنڈ پڑے ہیں۔

پنٹاگون میں اسرائیلی بہت پیشہ ورانہ مہارات سے کام کرتے ہیں اور ہر وقت موجود ان کے پاس ایسے لوگوں کی معتد بہ تعداد ہے جو یہاں کے نظام کو سمجھتے ہیں اور ہر سطح پر دوستی پال رکھی ہے یعنی اوپر سے نیچے تک وہ اس نظام کے ساتھ ہمہ وقت لگا تار منسلک رہتے ہیں تا کہ دباؤ برقرار رہے جب جمی کارٹر صدر بنا تو اسرائیل AIM-97 بڑی تعداد میں حاصل کرنے کی کوشش میں تھے۔ یہ امریکہ کی جدید ترین فضا سے فضا میں مار کرنے والی میزائل تھی۔ پنٹاگون بار بار کہتا رہا: ’’نہیں، نہیں، نہیں، یہ ابھی امریکن فوجی دستوں کو بھی نہیں ملی، اس کی پروڈکشن کی رفتار اتنی بھی نہیں کہ امریکن ضرورت پوری کر سکے۔ یہ اتنی حساس ہے کہ ہم اس کے گم ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔‘‘ اس کے باوجود صدر کارٹر نے اوائل ہی میں پنٹاگون کے فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے یہ میزائل اسرائیل کو دے دئے۔

ایک سابقہ انتظامیہ اہلکار اسرائیل کی فطانت کی مثال دیتے ہوئے کہتا ہے: اسرائیل نے ایک گولیاں بنانے والی مشین مانگی۔ یہ ایک بھاری اور وزن دار مشین تھی اور تھی بھی صرف ہمارے

پاس۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ یہ کسی دوسرے ملک حتی کہ اسرائیل کے پاس بھی ہو۔ ہم جانتے تھے کہ اگر ہم نے انکار کیا تو اسرائیلی ہم سے بالا ہی بالا کسی نہ کسی طرح منظوری لے ہی لیں گے۔ چنانچہ یہ کہتے رہے کہ اس درخواست پہ غور کر رہے ہیں، لیکن ہمیں بے حد حیرانی ہوئی جب ہمیں پتہ چلا کہ اسرائیلیوں نے یہ مشین خرید بھی لی ہے اور نیویارک کے ویرہاؤس میں پڑی ہے۔

برسہا برس سے امریکہ اور اسرائیل کے درمیان فوجی افراد کا تبادلہ جاری ہے۔ کاغذات میں تو لین دین دکھائی دیتا ہے لیکن درحقیقت صرف اسرائیل ہی فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ معاملہ دراصل قومی کردار کا ہے نہ کہ کوئی خفیہ بات۔ اسرائیلی افسر عام طور پر انگریزی بولتے ہیں لہٰذا ان کے لئے امریکی افسران سے رابطہ پیدا کر لینا کوئی عجب بات نہیں، لیکن اس کے برعکس شاید ہی کوئی امریکی افسر عبرانی زبان بولتا ہو۔

اسرائیلی نوجوان انگریزی طریقے سے بولتا ہے۔ پسندیدہ اوصاف رکھتا ہے۔ وہ جلد ہی ان کا دوست بن جاتا ہے۔ جلد ہی یوں ہوتا ہے کہ قانون بھلا دئے جاتے ہیں اور اسرائیلی افسران کو ہر جگہ داخلہ مل جاتا ہے حتی کہ لیبارٹریز، ٹریننگ درسگاہوں اور آپریشنل بیس پر بھی۔

موساد کے ایجنٹ امریکہ کے ہر محکمہ میں گھسے ہوئے ہیں اور ان کی کارکردگی نسبتاً KGB (روسی خفیہ پولیس) سے بھی بہتر ہے۔ ایک سابقہ سی آئی اے ایجنٹ کے بقول ’’موساد کسی بھی ممتاز امریکی یہودی سے رابطہ کر کے مدد طلب کر سکتی ہے۔ ان کی اپیل سادہ الفاظ میں یوں ہوتی ہے کہ ’’جب مدد کے لئے پکارا گیا اور کسی نے پرواہ نہ کی تو نتیجہ قتل عام تھا۔‘‘

اپنا مشن انجام دینے کے لئے جو مثبت جاسوسی معلومات یہ اکٹھی کرتے ہیں اس کے لئے موساد عرب ممالک اور ان کے سرکاری نمائندوں اور تنصیبات کے علاوہ دنیا بھر میں اور خصوصاً مغربی یورپ اور امریکہ میں اپنے ایجنٹوں کو استعمال کرتے ہیں۔

ہر ملک کی یہودی آبادی میں کچھ صہیونی یا دوسرے ہم خیال پائے جاتے ہیں اور یہ ذرائع معلومات کا کام کرتے ہیں۔ یہ کئی دوسرے مقاصد کے لئے بھی کام کرتے ہیں مثلاً پروپیگنڈہ اور فریب۔

صہیونیت کی جارحانہ نظریاتی اساس جو ہر یہودی کو اسرائیلی شہری بننے اور اسرائیلی مراجعت پر مجبور کرتی ہے، سراغ رسانی کے عمل میں حمایت حاصل کرنے کے لئے رکاوٹ بھی بن سکتی ہے کیونکہ دنیا بھر کے یہودیوں میں صہیونیت کے خلاف مخالفت پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں سائنسی راز چرانا بھی موساد کا ایک خاص ہدف ہے۔ یہ کام اکثر مقامی ایجنٹوں کی امداد سے

کیا جاتا ہے۔

''شکنجہ یہود'' نامی کتاب سے بطور نمونہ یہ چند اقتباسات ہیں۔ ۴۴۳ صفحے کی اس کتاب میں تفصیل سے یہودی وصہیونی کارستانیوں کی مثالیں موجود ہیں۔ دراصل یہ کتاب کافی پہلے لکھی گئی ہے جس میں ۱۹۸۴ء تک کے حالات وواقعات درج ہیں۔ اب تو دنیا کافی بدل چکی ہے۔ سوچنے کے انداز اور کارکردگی کے نت نئے پہلو کے بارے میں اچھی خاصی رہنمائی مل جاتی ہے۔ حالیہ دنوں میں جو واقعات پیش آئے انھوں نے گویا دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اثناء گفتگو آواز کی ریکارڈنگ، جاسوسی کے انوکھے طریقے، بڑے بڑے سیاسی وسماجی رہنماؤں کی بلیک میلنگ، دھونس، دھاندلی اور لالچ دے کر پوری دنیا میں خوف وہراس کا ماحول آخر یہ سب کیا ہے۔ بطور مثال ریمنڈ دولیس کا کیس اور وکی لیکس کے انکشافات کافی ہیں۔ جب بھی کوئی بات دنیا کے سامنے آتی ہے اور جرم ثابت ہوجاتا ہے تو اس کی گرفت اور بازپرس کے بجائے ویٹو پاور کا استعمال اور حفظ ماتقدم کا لنگڑا عذر پیش کردیا جاتا ہے۔ مقبوضہ قطعہ ارض فلسطین کو زبردستی یہودی ملک قرار دے کر اس کی حفاظت کے لئے پنٹاگون مکمل طور پر اس کی پشت پر کھڑا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کو ایٹمی ہتھیاروں سے پاک کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس سے اسرائیل کو خطرہ ہے۔ لیکن اسرائیل کے لئے یہی اسلحہ بہت ضروری بن جاتا ہے۔ نہتے فلسطینیوں پر آئے دن بمباری، ان کی زمین پر تعمیرات، فریڈم فلوٹیلا پر دہشت گردانہ حملہ، فلسطین کی ناکہ بندی وغیرہ کے معاملہ میں اقوام متحدہ کے اجلاس میں امریکہ کا ویٹو پاور کا استعمال اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ امریکہ ابھی یہودی شکنجہ میں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ دنیا کب تک صبر کرتی ہے اور اس کا ضمیر کب ظلم کے خلاف آواز بلند کرتا ہے۔

☆☆☆

میانہ روی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کو یہود کی طرح دوڑنے سے بھی منع کیا جاتا تھا اور نصاریٰ کی طرح بہت آہستہ چلنے سے بھی اور حکم یہ تھا کہ ان دونوں چالوں کی درمیانی چال اختیار کرو۔

اسلام کا نظریہ طب وعلاج

ولی اللہ مجید قاسمی☆

خون چڑھانا

خون حرام ہے، قرآن میں بصراحت اس کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے(۱)، ساتھ ہی وہ جسم انسانی کا ایک حصہ بھی ہے اور جسم انسانی کے کسی حصہ سے فائدہ اٹھانا بھی ناجائز ہے، غرضیکہ خون کے چڑھانے میں حرمت کی دو وجہیں جمع ہوگئیں؛ حرام اور ناپاک ہونا۔ انسان کا جز ہونا مگر یہ ایسا جز ہے کہ بطور علاج بدن سے نکالنے کی اجازت ہے، حدیثوں میں پچھنا کے ذریعہ خون نکالنے کی اجازت بلکہ بطور علاج ترغیب دی گئی ہے(۲) اور خود آپ ﷺ سے پچھنا لگانا ثابت ہے۔(۳)

اس کی وجہ یہ ہے کہ خون نکالنے کی وجہ سے بالکل ختم نہیں ہوجاتا ہے بلکہ دوبارہ پھر نیا خون بن جاتا ہے، گویا کہ خون بالکل دودھ کی طرح ہے، فرق صرف یہ ہے کہ خون ناپاک اور دودھ پاک۔ لہٰذا جس طرح بچے کی ضرورت کے پیش نظر دودھ سے استفادہ کی اجازت ہے اور بغرض علاج بڑوں کے لئے بھی اس کا استعمال جائز ہے(۴)، اسی طرح سے اگر خون چڑھانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو ایک انسان کے خون کو دوسرے کے جسم میں داخل کیا جاسکتا ہے۔

رہا خون کا حرام اور ناپاک ہونا تو اس سلسلہ میں ہمیں صریح فقہی عبارتیں ملتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج کے مقصد سے خون کا استعمال جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

> ''بیمار کے لئے علاج کے مقصد سے خون اور پیشاب پینے اور مردار کھانے کی گنجائش ہے، جبکہ مسلم ڈاکٹر اسے خبر دے کہ اسی میں شفاء ہے اور کوئی دوسری جائز دوا اس کی جگہ موجود نہ ہو، اگر ڈاکٹر کہے کہ اس سے جلد صحت ہوجائے گی تو اس میں دو رائیں ہیں؛ کچھ لوگوں نے جائز اور کچھ نے ناجائز کہا ہے۔''(۵)

☆استاذ حدیث وفقہ جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

(۱) حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر (۲) خیر ما تداویتم به الحجامة (متفق علیه) زاد المعاد ٤/٥٣ (۳) ان النبی ﷺ احتجم واعطی الحجام اجره (متفق علیه) حواله سابق (٤) لا باس بان یسعط الرجل بلبن المرءة ویشربه للدواء (هندیه ٥/٣٥٥) (٥) حواله سابق

فقہائے کرام نے ان جیسے مسائل میں ڈاکٹر کے مسلمان ہونے کی شرط لگائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان حرام وحلال سے واقف ہوتا ہے، حرام دوا تجویز کرتے ہوئے وہ اس کے جواز کی تمام شرطوں کو ملحوظ رکھے گا، اس کے برخلاف اگر ڈاکٹر غیر مسلم ہو تو وہ اس کی رعایت نہیں کرسکتا ہے، بلکہ بسا اوقات محض سہولت اور جلد شفایابی کے لئے بھی حرام دوا تجویز کرسکتا ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر غیر مسلم ہو تو محض اس کے کہنے پر اعتماد نہیں کرلینا چاہئے بلکہ اپنے طور پر اطمینان کرلینا بھی ضروری ہے کہ آیا واقعی خون چڑھانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ دوسرے تجربہ کار لوگوں سے مشورہ کرلینا چاہئے، اگر خود کسی فیصلہ پر پہنچ نہ سکے اور نہ کسی اور ذریعہ سے، تو ایسی صورت میں غیر مسلم ڈاکٹر پر بھی اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

غیر مسلم کا خون

خون چڑھانے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کسی مسلمان ہی کا خون ہو بلکہ غیر مسلم کے خون سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے، گرچہ اس سے احتیاط بہتر ہے۔ دودھ پلانے والی عورت کے متعلق علامہ سرخسی حنفی کا بیان ہے:

”اس میں کوئی برائی نہیں کہ کوئی مسلمان، کافرہ یا ایسی عورت جسے زنا سے بچہ پیدا ہوا ہو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھے، اس لئے کہ کفر کی خباثت اس کے اعتقاد میں ہے دودھ میں نہیں، انبیاء علیہم السلام اور رسولوں میں سے بعض ایسے ہیں جنھوں نے کافرہ عورتوں کا دودھ پیا ہے، ایسے ہی فاجرہ کی بدکاری کا اثر اس کے دودھ میں نہیں ہوتا ہے۔“(۱)

ایک انسان کا خون دوسرے میں منتقل کرنے کی وجہ سے کوئی ”خونی رشتہ“ متعلق نہیں ہوگا۔

خون کا بیچنا

خون جسم انسانی کا ایک حصہ ہے اور انسان سر کے بال سے پیر کے ناخن تک قابل احترام ہے۔ اسے سامان خرید وفروخت بنانا انسانیت کی توہین اور اس کے احترام کے خلاف ہے، اس لئے بہ ضرورت خون کے جائز ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ خون دینے والا بغیر کسی دباؤ کے اپنی خوشی سے کسی معاوضہ کے بغیر دے، لیکن اگر مفت کوئی دینے کے لئے تیار نہیں تو بہ ضرورت خریدنا تو جائز ہے، مگر بیچنا کسی حال میں درست نہیں اور بیچنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ اس لئے کہ قرآن نے

(۱) المبسوط ۱۵/ ۱۲۷

خون کو حرام قرار دیا ہے اور جو چیز حرام ہے، اس کا فروخت کرنا بھی ناجائز ہے۔ حدیث نبوی ہے:

”اللہ یہود پر لعنت کرے کہ اللہ نے ان پر چربی کو حرام کیا تو انھوں نے اسے بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھایا اور بلا شبہ اللہ جب کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت سے فائدہ اٹھانا بھی حرام کرتا ہے۔“(۱)

اور ناگزیر ضرورت کے لئے کسی چیز کے جائز ہونے سے اس کا فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں کہ بہ ضرورت خنزیر کے بال کو استعمال کیا جاسکتا ہے، لیکن بے قیمت حاصل کرنے کی کوشش ہونی چاہئے، اگر مفت نہ ملے تو اس وقت خریدنا تو جائز ہے لیکن بیچنا اور اس کی قیمت لینا جائز نہیں۔ فقہ وفتاویٰ کی مستند اور معتبر کتاب ”درمختار“ میں ہے:

”اگر بلا ضرورت حاصل نہ ہوسکے تو ضرورت کی وجہ سے خریدنا جائز ہے لیکن بیچنا مکروہ ہے، لہٰذا اس کی قیمت پاکیزہ نہ ہوگی۔“(۲)

بلڈ بینک

دنیا حوادث کی آماجگاہ ہے، حادثات پیش آتے ہی رہتے ہیں، بسا اوقات جنگ یا عمومی حادثہ کی وجہ سے خون کی کثیر مقدار کی ضرورت ہوتی ہے اور بروقت خون کی کثیر مقدار کا فراہم ہونا مشکل اور مل بھی جائے تو خون کے گروپ کا ملنا دشوار، گویا کہ بلڈ بینک کا قیام ایک ناگزیر طبی ضرورت بن گئی ہے کہ وہاں مختلف گروپ کے خون محفوظ رکھے جائیں اور موقع پڑنے پر انھیں استعمال کیا جائے۔ لہٰذا اس غرض سے بے قیمت اور نہ ملنے پر خرید کر خون کو جمع کرنا جائز اور درست ہے۔

اعضاء کی پیوندکاری

کسی ناکارہ اور ضائع شدہ عضو کی جگہ دوسری کوئی چیز لگانے کو ”اعضاء کی پیوندکاری“ سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ پچھلے زمانے میں بھی اس طرح کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں خود حدیث کی کتابوں میں ایک صحابی کے متعلق سونے کی ناک لگانے کا تذکرہ ملتا ہے۔ میڈیکل سائنس نے اس راہ میں مزید ترقی کی اور نت نئے انکشافات کئے جو یقینی طور پر انسانیت کی ایک بہت بڑی خدمت ہے، لیکن بحیثیت مسلمان ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ شرعی اعتبار سے یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیوں کر؟ اور نہیں تو کیوں؟ اس وقت پیوندکاری کی چار صورتیں رائج ہیں۔

(۱) رواہ احمد وابوداؤد (نیل الاوطار ۵/ ۱۴۲)   (۲) درمختار مع الرد ۴/ ۱۱۳

(۱) دھات یا پلاسٹک کا استعمال جیسے پلاسٹک کا دانت یا ناک وغیرہ، اس کے جائز ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، خود حدیث میں اس کے جواز کی صراحت ہے، حضرت عرفجہ راوی ہیں کہ ان کی ناک ایک جنگ کے موقع پر کٹ گئی تو انھوں نے چاندی کی ناک لگوالی مگر اس میں بدبو پیدا ہوجایا کرتی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرکے انھوں نے سونے کی ناک بنوالی (۱) نیز بعض صحابہ کرام سے دانت میں سونے کا تار لگانا منقول ہے۔ (۲)

(۲) انسان کے سوا دیگر جاندار کے اعضاء سے استفادہ کرنا مثلاً بندر، بن مانس وغیرہ کے جسم کے کسی حصہ کو انسانی جسم میں منتقل کرنا، اس مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے کہ اگر جانور حلال ہو اور شرعی طریقے پر ذبح کرکے ''عضو'' کو حاصل کیا گیا ہو تو پھر اس کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں، اس لئے کہ تمام جانور انسان کی خدمت اور آرام و آسانی ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، جب بطور خوراک عام حالت میں انھیں استعمال کرنے کی اجازت ہے تو بغرض علاج ان کے جسم کے کسی عضو سے فائدہ اٹھانا بدرجہ اولیٰ جائز ہے، حلال جانور کو زندہ باقی رکھ کر اس کے جسم کے کسی حصہ کو نکال لینا اور اسے استعمال کرنا جائز نہیں اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ زندہ جانور سے جو حصہ کاٹ کر علاحدہ کرلیا جائے وہ مردار ہے۔ (۳)

مردہ حیوان کی خشک ہڈی اور بال سے استفادہ بغیر کسی تفصیل کے جائز ہے، صرف خنزیر کا اس سے استثناء ہے کہ وہ سراپا نجس اور ناپاک ہے۔ ہندیہ میں ہے:

> ''امام محمد نے کہا کہ دوا کے طور پر ہڈی کا استعمال جائز ہے جبکہ بکری، گائے، اونٹ یا گھوڑے یا دیگر جانوروں کی ہڈی ہو، سوا خنزیر اور آدمی کے، کیونکہ ان دونوں کے ہڈی سے علاج مکروہ ہے، (یہ حکم اس وقت ہے جبکہ جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کیا ہو) اگر وہ مردار ہو تو خشک ہڈی سے علاج درست ہے اور تر سے نہیں اور کتے کی ہڈی بھی دوا کے لئے جائز ہے۔'' (۴)

لیکن یہ تمام تفصیلات عام حالات میں ہیں، اضطرار یا مشقت شدیدہ کے وقت جبکہ اس کے سوا کوئی متبادل نہ ہو مردار اور خنزیر کے جسم کے کسی حصہ سے پیوندکاری جائز اور درست ہے، اس لئے کہ فقہی اصول ہے کہ ضرورت حرام کو بھی جائز کردیتی ہے۔ الضرورات تبیح المخطورات

(۳) انسانی جسم کے کسی حصہ کو خود اسی کے جسم میں پیوندکاری کرنا جیسے منھ پر آئے ہوئے زخم کو

(۱) جامع ترمذی (۲) نصب الرایہ (۳) ترمذی (۴) ہندیہ ۵/۳۵۴

بھرنے کے لئے ران کا گوشت لگانا، یہ صورت امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے، اس لئے کہ اس میں جسم انسانی کی کوئی توہین نہیں ولا اھانة فی استعمال جزء منه۔ امام ابوحنیفہ و محمد کے نزدیک اس کی اجازت نہیں اس لئے کہ جسم سے علاحدہ کئے ہوئے حصہ کو دفن کرنا واجب ہے تو اسے دوبارہ اس جسم میں لگانا اس کے خلاف کرنا ہے فاذاانفصل استحق الدفن والاعادة صرف له عن جهة الاستحقاق (۱)

اس مسئلہ میں عام طور سے لوگوں نے امام ابویوسف کے رائے کو ترجیح دی ہے اور یہی صحیح ہے، لیکن تراش و خراش کی اجازت اسی وقت ہوگی جبکہ کوئی دوسری تدبیر کارگر نہ ہو اور ضرورت کے لئے ہو، زینت کے لئے نہیں۔

(۴) ایک زندہ یا مردہ انسان کے کسی عضو کو دوسرے انسان میں لگانا۔ یہ صورت اسلامی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے، ناجائز ہونے کی بنیادی طور پر دو وجہیں ہیں؛ انسان اپنے جسم کا مالک و مختار نہیں بلکہ ''جسم'' اللہ کی طرف سے ایک ''امانت'' ہے، جس میں ایک حد تک تصرف کا اختیار تو ہے مگر اس میں غیر امانت دارانہ تصرف کرنے اور دوسروں کو دینے کا مجاز نہیں، یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی میں خودکشی ایک عظیم جرم ہے اور جسم میں کسی قسم کے مالکانہ تصرف اور تبدیلی کو ''تغییر خلق اللہ'' (اللہ کی ساخت و بناوٹ کو بدلنا) سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کو سخت مذموم اور شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے۔

تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی بھوک کی وجہ سے جاں بلب ہو، موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو اور کوئی اس سے کہے کہ میرے جسم سے کاٹ کر کھالو تو ایسی حالت میں بھی نہ تو اس شخص کو اجازت دینا جائز ہے اور نہ ہی دوسرے کے لئے کھا کر جان بچانا جائز ہے (۲) اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ کوئی شخص اپنے جسم کا مالک نہیں ہے، وہ اس کے پاس ایک امانت ہے، جس سے فائدہ اٹھانے کی اسے اجازت ہے۔

اس مسئلہ کے ناجائز ہونے کی دوسری وجہ انسان کی عزت و تکریم ہے، اللہ نے انسان کو مکرم و محترم بنایا ہے، ولقد کرمنا بنی آدم جسم انسانی کی تراش خراش اور چیر پھاڑ اس کی تکریم کے خلاف ہے، یہ درست ہے کہ شریعت نے احترام انسانیت کا کوئی بے لچک اصول مقرر نہیں کیا ہے، بلکہ مبہم رکھا ہے اور اس قسم کے مسائل میں عرف اور حالات ہی کو فیصل مانا جاتا ہے، لیکن یہ بھی ایک

(۱) بدائع ۵/۱۳۲ (۲) دیکھئے فتاوی الخانیہ ۳/۴۰۴، ردالمحتار ۵/۲۱۵ بلغۃ السالک ۱/۶۸۳، المجموع ۹/۴۵ کشاف القناع ۶/۱۹۸، المحلی ۸/۱۳۷

حقیقت ہے اور اہل علم کی نظروں سے پوشیدہ نہیں کہ اس سلسلہ میں اسی زمانے کا عرف معتبر ہوگا جس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا، بعد کے کسی عرف و عادت سے قرآن کے کسی مبہم لفظ کی تشریح نہیں کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ اگر حرام و حلال جیسے مسائل میں ہر زمانہ کے عرف کو معیار بنایا جائے تو پھر شریعت کی دیوار کو برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔

رہی بات ضرورت کی کہ اس حالت میں قابل احترام چیزوں کی اہانت گوارا کی جاسکتی ہے، لہٰذا اضطراری حالت میں تکریم انسانیت کا پہلو نظر انداز کیا جاسکتا ہے، تو یہ بھی صحیح ہے، لیکن جیسا کہ بارہا آچکا ہے کہ اصل بنیادی وجہ مالک و مختار نہ ہونا ہے، احترام انسانیت ایک ضمنی وجہ ہے، اس پر مسئلہ کا دارومدار نہیں اور فقہاء کی تصریحات گذر چکی ہیں کہ انسانی جان کے تحفظ کے مقصد سے بھی اعضاء انسانی سے استفادہ درست نہیں۔

اس مسئلہ میں جو حکم ایک زندہ انسان کا ہے وہی مردہ کا بھی ہے، اس لئے کہ اپنے جسم کا مالک نہ ہونے اور احترام انسانیت میں دونوں یکساں ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

’’مردہ انسان کی ہڈی کو توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے۔‘‘

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

’’مومن کو اس کے مرنے کے بعد اذیت پہنچانا اس کی زندگی میں اذیت پہنچانے کی طرح ہے۔‘‘

زندگی میں ایک گونہ تصرف کا حق بھی ہے، مرنے کے بعد تو یہ حق بھی ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر کوئی اس طرح کی کوئی وصیت کر جاتا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی ورثاء کے لئے اس کی وصیت پر عمل کرنا جائز ہے، بلکہ موت کے بعد صحیح حالت میں دفن کرنا ان کی ذمہ داری اور ایک اسلامی فریضہ ہے اور اس میں کسی قسم کی تراش خراش، خرد برد ’’مثلہ‘‘(۱) ہے، جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے: ونهى عن المثلة (۲)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی نے لکھا ہے اور خوب لکھا ہے کہ:

’’ذمی (وہ کافر جو دارالاسلام میں سکونت پذیر ہو) کی ہڈی بھی قابل احترام ہے، لہٰذا اگر وہ کسی قبر میں پائی جائے تو اسے توڑا نہ جائے، کیونکہ یہ ’’مثلہ‘‘

(۱) کسی انسان کے عضو کی چھانٹ کاٹ کو مثلہ کہا جاتا ہے انما المثلة قطع عضو ونحوه (حاشیه ابوداؤد ۱/۲۴۴) (۲) بخاری ۲/۶۰۲، رشیدیه دهلی

کی قبیل سے ہے، لہٰذا جس طرح اس کو زندگی میں اذیت پہنچانا حرام ہے، اسی طرح موت کے بعد ٹوٹنے سے اس کی حفاظت واجب ہے۔(۱)‘‘

بعض حالات میں مردہ کے جسم کو چیرنے کی جو اجازت بعض فقہی کتابوں میں مذکور ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے ایک دوسرے کا حق متعلق ہو چکا ہے، اس حق کی رعایت میں احترام انسانیت کے پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، مگر انسانی جسم کے کسی حصہ کو کاٹ کر دوسرے میں لگانے میں ایسی کوئی وجہ موجود نہیں ہے، لہٰذا ان جیسے مسائل کو اعضاء کی پیوند کاری کے لئے نظیر بنانا درست نہیں۔

پوسٹ مارٹم

کسی کی موت مشتبہ حالت میں ہوگئی ہو تو پوسٹ مارٹم کے ذریعہ یہ پتہ لگانا جائز ہے کہ اس کی موت کا حقیقی سبب کیا ہے؟ اس کی موت خودکشی کی وجہ سے ہوئی ہے یا کسی نے گلا گھونٹ دیا ہے؟ اس موت کی وجہ زہر خورانی ہے یا طبعی؟ کیونکہ اس طرح قاتل کی تلاش میں مدد ملتی ہے اور کوئی بے قصور انسان ماخوذ نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ بسا اوقات شبہ کی بنیاد پر کسی کو پکڑ لیا جاتا ہے پھر پوسٹ مارٹم کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ موت کی وجہ طبعی ہے۔ چونکہ اس صورت میں میت سے ایک دوسرے کا حق متعلق ہو چکا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو خطرہ ہے کہ ایک بے قصور شخص پکڑا جائے، نیز قاتل کی تلاش بھی شرعاً مطلوب ہے، اس لئے اہانت انسانی کو انگیز کیا جاسکتا ہے۔

اچانک کوئی وبائی مرض پھیل جائے اور بکثرت موت واقع ہونے لگے مگر اس موت کے اسباب معلوم نہ ہوں تو اس مقصد سے پوسٹ مارٹم کرنا بھی جائز ہے تاکہ اس کے سبب کو معلوم کر کے احتیاطی تدبیر اپنائی جاسکے اور مرض پر قابو پایا جاسکے، کیونکہ فقہی اصول ہے کہ عمومی مصالح کی بنا پر انفرادی نقصان کو گوارا کیا جاتا ہے اور اس مقصد سے اہانت انسانیت کے پہلو کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے، دبستان فقہ حنبلی کے ترجمان علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی انسان کنویں میں گر کر مر جائے اور پانی کی ضرورت ہو تو لوہے کے کانٹے سے اسے نکالنا جائز ہے، گرچہ لاش پھٹ جائے، اس کی وجہ سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اس لئے کہ زندہ کی حرمت اور اس کے نفس کی حفاظت، میت کو مثلہ ہونے سے بچانے کے مقابلہ میں بڑھ کر ہے، کیونکہ پوری دنیا کا ختم ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے کمتر ہے، نیز کوئی مسلمان دوسرے کے مال کو نگل لے

(۱) رد المحتار ۲/۲۴۶

(اوراسی حالت میں انتقال کرجائے)تو زندہ کے مال کی حفاظت کے مقصد سے اس کے
پیٹ کوچاک کردیا جائے گا تو جان کی حفاظت مال کی حفاظت سے زیادہ اہم ہے۔‘‘(۱)

انسانی نعش پر میڈیکل ریسرچ

انسانی عضو کی بناوٹ اور ہڈیوں کے جوڑ، مختلف حصوں کے درمیان باہمی ربط وضبط اور تناسب جاننے کے مقصد سے انسانی نعش کو چیرنا پھاڑنا درست نہیں، کیونکہ اولاً تو ان چیزوں کا جاننا میڈیکل تعلیم کے لئے ضروری اور ناگزیر نہیں کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، دوسرے اس مقصد کے حصول کے لئے اور بھی بہت سی تدبیریں موجود ہیں، ان ذرائع کے ہوتے ہوئے اہانت انسانی کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

جانوروں پر میڈیکل ریسرچ

دواؤں کے اثرات کو جاننے اور ان کے فوائد کا پتہ لگانے کے لئے نیز عضو انسانی کی تشریح کے مقصد سے جانوروں پر مختلف قسم کے تجربات کئے جاتے ہیں اس طرح کے تجربات اور ریسرچ جائز اور درست ہیں، اس لئے کہ ان تجربات کا مقصد بے جا ایذارسانی نہیں بلکہ انسانی منفعت اور فائدہ اس سے وابستہ ہے اور اسلام کا یہ نقطہ نظر ہے کہ تمام جانور نوع بنی آدم کی منفعت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، رب کائنات کا ارشاد ہے:

والانعام خلقها لکم فیها دفء ومنافع و منهاتاکلون (النحل:۱۶)

’’اور اللہ نے تمہارے لئے جانوروں کو پیدا کیا، جن کے بال سے
گرمی کا سامان بہم ہے اور اس کے سوا بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے
کچھ کو تم کھاتے ہو۔‘‘

انسانی منفعت کے پیش نظر جانوروں پر سوار ہونا اور ان کے گوشت سے استفادہ کرنا جب جائز ٹھہرا، گرچہ اس میں ایک طرح سے ان کو اذیت ہوتی ہے تو دواؤں کے اثرات کو جاننے کے لئے ان پر تجربات کرنا بھی درست ہے۔

آپریشن

انسان کے تحفظ اور بقا کے مقصد سے بغرض علاج آپریشن جائز اور درست ہے کہ اس طور سے پورے جسم کی حفاظت اور شدید مشقت سے نجات ملتی ہے، اس مسئلہ کے جواز سے متعلق قدیم فقہی کتابوں میں بھی صراحت ملتی ہے، چنانچہ ہندیہ میں ’’سراجیہ‘‘ کے حوالے سے ہے کہ جسم کا

(۱)المغنی مع الشرح الکبیر۲/ ۴۰۷

کوئی حصہ سڑ جائے تو اسے کاٹ کر نکال دینے میں کوئی حرج نہیں، نیز ’’ملتقط‘‘ نامی کتاب میں ہے کہ پیٹ میں سے کسی چیز کو نکالنے کے لئے اس کو پھاڑنے میں کوئی قباحت نہیں۔(۱)

گرچہ اس آپریشن میں موت کا امکان ہی کیوں نہ ہو، لیکن گر موت یقینی ہو تو اس صورت میں آپریشن درست نہیں۔ ہندیہ ہی میں ہے:

’’شدید اور پرخطر زخموں میں اور مثانہ میں ہونے والی پتھریوں میں اور
اس کے مثل میں، گر کہا جائے کہ موت وحیات دونوں کا امکان ہے یا یہ کہ موت کا
امکان نہیں تو اس وقت علاج کیا جائے اور اگر کہا جائے کہ موت یقینی ہے تو پھر
علاج نہ کیا جائے۔‘‘(۲)

متعدی امراض

بعض بیماریاں ایسی ہیں جن کے بارے میں قدیم زمانے سے یہ تصور چلا آرہا ہے کہ ان میں منتقل ہونے کی صلاحیت ہے، یہ چھوا چھوت کی بیماری ہے، مریض کے ساتھ میل جول سے تندرست انسان بھی اس مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے، فن طب میں بھی بعض بیماریوں کو متعدی خیال کیا جاتا ہے، لیکن کیا اسلام بھی اس نظریہ سے متفق ہے؟ احادیث سے اس کا جواب ’’ہاں‘‘ میں ملتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

’’کوڑھی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔‘‘(۳)

نیز ارشاد ہے:

’’جس کے اونٹ بیمار ہوں وہ ان کو پانی پلانے کے لئے اس گھاٹ پر
ہرگز نہ لے جائے جہاں تندرست اونٹ پانی پیتے ہیں۔‘‘(۴)

جن احادیث سے اس کے برخلاف معلوم ہوتا ہے اس کی توجیہہ کرتے ہوئے ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ مرض میں خود منتقل ہونے کی صلاحیت ہے۔ خاصیت طبعی لازمی ہے کہ ضرور متعدی ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد وعمل سے اس عقیدہ کی تردید فرمائی کہ مرض کے اندر ذاتی طور پر متعدی ہونے کی صلاحیت نہیں ہے (۵) اور عملی طور پر اس

(۱)لا بـأس بقطع العضو ان وقعت فیه الاکلة لئلا تسری ......ولا باس بقطع الید من الاکـلة وشـق البطـن لـمـا فیـه (ہندیہ۵/۳۶۰) (۲)ہندیہ۵/۳۶۰ (۳)بخاری۲/۸۵۰
(۴)حوالہ سابق۲/ ۸۵۹ (۵)حوالہ سابق ومسلم۲/۲۳۰

بداعتقادی کوختم کرنے کے لئے ایک جذامی کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اور ارشاد ہوا: اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے کھاؤ کہ مرض وشفا اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے (۱)، لیکن اسباب کے درجہ میں اللہ نے بعض بیماریوں میں متعدی ہونے کی صلاحیت رکھ دی ہے، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جذامی سے اس طرح دور رہو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ دونوں طرح کی حدیثوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے اکثر علماء نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے (۲) تاہم بعض لوگوں کی رائے یہ بھی ہے کہ امراض متعدی نہیں ہوتے ہیں اور جن حدیثوں سے متعدی ہونا معلوم ہوتا ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو کمزور دل اور کمزور ایمان رکھتے ہیں کہ جن بیماریوں کو وہ متعدی سمجھتے ہیں ان میں مبتلا شخص سے میل جول نہ رکھیں کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ اتفاقی طور سے انھیں بھی یہ مرض لگ جائے تو ان کا اعتقاد خراب ہوگا کہ اس مرض کے اندر متعدی ہونے کی صلاحیت ہے اور اس طرح سے ان کا ایک وہم اعتقاد کا درجہ اختیار کر سکتا ہے۔ (۳)

یہاں اس بحث کی ضرورت نہیں کہ دلیل کے اعتبار سے ترجیح کس کو ہے؟ کیونکہ یہ مسئلہ اب نظری نہیں بلکہ مشاہداتی ہے، عقل ودل کی نگاہوں سے نہیں بلکہ سر کی آنکھوں سے ''ایڈز'' وغیرہ کے جراثیم منتقل ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس لئے اب اس سے انکار، مشاہدہ اور تجربہ کا انکار ہے اور مان لینے میں نہ تو روح شریعت مجروح ہوتی ہے اور نہ حدیث کا انکار لازم آتا ہے۔

مریض کی ذمہ داری

جو شخص کسی متعدی مرض مثلاً ایڈز وغیرہ میں مبتلا ہو تو اس کی ذمہ داری ہے کہ اپنی بیماری اور اس کی نوعیت کے بارے میں گھر والوں اور دوسرے متعلقین کو آگاہ کر دے، ایسا کرنا واجب اور ضروری ہے۔ ایسے امراض کو چھپانا اور پردہ پوشی کرنا گناہ ہے، کیونکہ اس کے نتیجہ میں دوسروں کو ضرر اور نقصان پہنچ سکتا ہے اور اگر پہلے سے اطلاع ہوگی تو احتیاطی تدبیروں کو اپنا کر اس ضرر سے بچا جا سکتا ہے۔

متعلقین کا فریضہ

بیمار شخص محبت، شفقت، نرمی اور مہربانی کا حقدار ہوتا ہے، اسلام میں مریض کی تیمارداری اور دیکھ ریکھ کی بڑی فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی ہے، لیکن ساتھ ہی اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ بعض بیماریوں سے لوگوں کو طبعی کراہت ہوتی ہے اور کثرت اختلاط کی وجہ سے مرض کے متعدی

(۱) ترمذی ۲/۴ (۲) فتح الباری ۱۰/۱۶۱، نووی علی مسلم ۲/۲۳۰ (۳) فتح الباری ۱۰/۱۶۱

ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے ایسے امراض کے حامل لوگوں کو عوامی مجلسوں میں جانے سے احتیاط کرنا چاہئے کہ اس میں مریض اور دیگر لوگوں کے لئے عافیت ہے، اسی میں دونوں کے لئے سہولت اور ذہنی سکون کا سامان ہے، کیونکہ اگر ان مجلسوں میں جائیں گے تو لوگ ان سے دور بھاگنے کی کوشش کریں گے، جس سے ان کے اندر احساس بیچارگی پیدا ہوگی، اسی مقصد کے تحت حضرت عمرؓ کے متعلق منقول ہے کہ انھوں نے کوڑھ کے مریضوں کو عوامی اختلاط سے روک دیا تھا۔

دوسری طرف اہل خانہ کا فریضہ ہے کہ انھیں بے یار ومددگار تنہا نہ چھوڑ دیں بلکہ احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی تیمارداری اور نگرانی کریں، ان کے اندر جینے کا حوصلہ پیدا کریں، ان کے سامنے ایسی کوئی بات نہ کی جائے جس سے ان کا دل ٹوٹ جائے، وہ اپنے کو بے بس، لاچار اور ایک بوجھ محسوس کریں۔

مرض منتقل کرنا

بعض بیماریوں کو منتقل مان لینے کے بعد ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ مرض کو منتقل کرنے کے مقصد سے کوئی تدبیر اختیار کرنا گویا ''زہر'' پلانا ہے اور زہر خورانی کے سلسلہ میں یہ تفصیل بیان کی گئی ہے۔

کسی ناسمجھ بچے یا پاگل کو زہر آمیز کھانا کھلا دیا گیا اور کھلانے والے کے علم میں ہے کہ یہ قاتل زہر ہے اور کھانے والا اس سے ہلاک ہو جائے تو جمہور فقہاء کے نزدیک قصاص ہے۔ کسی بالغ اور عاقل انسان کو زہر آمیز کھانے پر مجبور کیا گیا اور مجبور شخص کو معلوم نہیں کہ کھانے میں زہر ہے تو ہلاکت کی صورت میں مجبور کرنے والے سے قصاص لیا جائے گا، اگر مجبور شخص کو زہر کے متعلق علم ہے تو پھر قصاص نہیں (بلکہ خوں بہا ہے کیونکہ ایک گونہ اس کے اختیار کو دخل ہے)۔ کسی کے حلق میں زہر ڈال دیا تو قصاص ہے، اگر چہ وہ بالغ ہو، کیونکہ اس میں اس کے اختیار کو کوئی دخل نہیں۔

عقلمند اور بالغ شخص کے سامنے زہر آمیز کھانا پیش کیا گیا اور وہ جاننے کے باوجود کہ کھانے میں زہر ہے اسے کھا لے تو نہ قصاص ہے اور نہ خوں بہا۔ اس لئے کہ وہ خود ہی قاتل ہے، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، لیکن اگر اسے معلوم نہیں ہے تو اس صورت میں قصاص واجب ہونے کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک خوں بہاء واجب ہے، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے کے مطابق قصاص ہے۔ ایک قول شوافع کا بھی اسی کے موافق ہے۔ حنفیہ کے یہاں زہر خورانی سے ہلاکت کی وجہ سے نہ قصاص ہے اور نہ خوں بہاء بلکہ قید وغیرہ کے ذریعہ سرزنش کی جائے گی، لیکن

کسی کے حلق میں زہر ڈال دیا یا اسے زہر کھانے پر مجبور کیا تو قاتل کے متعلقین (عاقلہ) پر دیت واجب ہے۔(۱)

فقہ حنفی کی کتابوں میں زہر کے سلسلہ میں یہی بیان کیا گیا ہے جو موسوعہ کے مرتبین نے لکھا ہے، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ کھانے والا اس سے واقف ہو اور واقفیت کے باوجود کھالے یا میزبان کے علم میں نہیں کہ کھانے میں زہر ہے، کیونکہ فقہ حنفی کا اصول ہے کہ اگر کوئی کسی کی موت کا سبب ہو تو اس پر دیت واجب ہے (۲)، چنانچہ کوئی راستہ میں کنواں کھودے، پتھر رکھ دے، پانی کا چھڑکاؤ کردے اور اس سے کوئی ہلاک ہوجائے تو خوں بہا واجب ہے۔ زہر خورانی میں بھی کھلانے والا موت کا سبب بن رہا ہے۔ لہٰذا اس اصول کے اعتبار سے اس پر دیت واجب ہوگی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بہ قصد و ارادہ متعدی مرض کو منتقل کرتا ہے تو ائمہ ثلاثہ کے یہاں ہلاکت کی صورت میں قصاص ہے اور فقہ حنفی کے اصول کے مطابق دیت ہے، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اسے مرض کی نوعیت معلوم ہو کہ اس میں منتقل ہونے کی صلاحیت ہے اور اگر مرض کی نوعیت ہی سے واقف نہیں تو پھر اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

طاعون زدہ علاقے میں آمدورفت

طاعون اور دیگر وبائی امراض کے سلسلہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی یہ حدیث ہمارے لئے مشعل راہ ہے کہ

''جب کسی جگہ کے متعلق سنو کہ وہاں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر تم جس جگہ ہو وہیں طاعون پھوٹ پڑے تو وہاں سے فرار مت اختیار کرو۔''(۳)

طاعون زدہ علاقوں میں جانے کی ممانعت کیوں ہے؟ اس سلسلہ میں علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ

''جن علاقوں میں بیماری پھیلی ہوئی ہے وہاں جانا اپنے آپ کو اس بلا

(۱) یہ تفصیل الموسوعة الفقهیه ۲۵/۵۸-۲۵۷ سے ماخوذ ھے۔ (۲) اما القتل بسبب......اذا تلف فیه الآدمی الدیة علی العاقلة (فتح القدیر ۱۰/۲۱۴) (۳) بخاری ۲/۱۵۲

کے سامنے پیش کرنا ہے جہاں موت منھ کھولے کھڑی ہے۔ اس آمادہ جاں ستانی علاقہ میں جانا خود اپنے خلاف موت کی مدد کرنا ہے، وہاں داخل ہونا خودکشی کے مترادف ہے اور عقل و خرد کے اعتبار سے نادرست اور شرع و ذہانت کے خلاف ہے۔''(۱)

طاعون زدہ علاقے سے بھاگنے سے کیوں روکا گیا؟ حالانکہ وہاں رہنا اپنے آپ کو ہلاکت کے لئے پیش کرنا ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ

''اس کی دو وجہ ہوسکتی ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ انسان کا تعلق ان مشکلات میں پھنسے ہوئے لوگوں کے ساتھ رہ کر اللہ سے مضبوط ہوتا ہے، وہ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کے فیصلہ پر راضی رہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو وبا سے بچنا چاہتا ہے وہ اپنے بدن سے فاسد رطوبات نکالنے کی کوشش کرے اور اس کے لئے سکون و آرام کی ضرورت ہے، وہاں سے بھاگنا اور دور دراز مقام کا سفر کرنا سنگین قسم کی حرکات کا متقاضی ہے جو مذکورہ اصول کی روشنی میں سخت نقصان دہ ہوگا۔''(۲)

امام غزالی نے فرار سے ممانعت کی جو وجہ بیان کی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی نگاہوں نے مستقبل کے اکتشافات کو دیکھ لیا ہو، وہ کہتے ہیں:

''ہوا جسم کے ظاہری حصہ سے لگتے ہی نقصان نہیں پہنچاتی ہے، بلکہ اس وقت ضرر رساں ہوتی ہے جبکہ سانس کے ذریعہ بار بار جسم کے اندر پہنچے، اگر ہوا میں عفونت ہے اور وہ بار بار سانس کے ذریعہ دل، پھیپھڑا اور آنت کے اندرونی حصہ تک پہنچ کر اثر انداز ہوجائے تو پھر بھی اس کا اثر نمایاں نہیں ہوگا، مگر یہ کہ وہ اندرونی حصہ میں دیر تک اثر انداز رہے، لہٰذا کسی شہر سے نکلنا اکثر اس اثر سے خالی نہیں ہوگا جو کہ اس کے اندرونی حصہ میں جڑ پکڑ چکا ہے۔''(۳)

حاصل یہ ہے کہ بسا اوقات ایک شخص وبائی جراثیم کا حامل ہوتا ہے مگر اس پر مرض کے آثار ظاہر نہیں ہوتے اور اس سے دوسروں تک منتقل ہوجاتے ہیں، اس صورتِ حال میں اکثر تندرست اور

(۱) الطب النبوی/۳۴ بہ اختیار (۲) حوالہ سابق (۳) احیاء علوم الدین ۴/۲۹۱ کتاب التوحید والتوکل بیان الرد علی ترک التداوی

صحیح لوگوں کو بھی اس مقام سے فرار کی اجازت دی جائے تو یہ ہر جگہ مرض پھیلاتے رہیں گے اور ہر جگہ سراسیمگی اور خوف وہراس کی فضا بن جائے گی۔

علاوہ ازیں، ممانعت کی وجہ خود حدیث کے الفاظ میں موجود ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''طاعون سے بھاگنا اور میدانِ جنگ سے پشت پھیرنا برابر ہے۔''(۱)

کیونکہ اس کی وجہ سے وہاں باقی رہ جانے والوں کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے، قوتِ مدافعت جواب دے جاتی ہے، زندہ رہنے کی رہی سہی امید ختم ہوجاتی ہے اور وہ دشمن جاں کا لقمہ تر ثابت ہوتا ہے، حقیقت ہے کہ یہ حدیث آپ ﷺ کی رسالت ونبوت پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے کہ چودہ سو سالہ طویل ریسرچ اور تحقیق کا نتیجہ اس کے سوا نہیں جو اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا تھا۔ حدیث کے الفاظ اور لب ولہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہے۔ اسی کے قائل اکثر علماء ہیں۔(۲)

لہٰذا حکومت کی طرف سے آمد ورفت پر کوئی پابندی لگائی جاتی ہے تو وہ شرعی حکم کا نفاذ ہے، اس کی تعمیل واجب اور ضروری ہے، البتہ بہ ضرورت آمد ورفت کی اجازت ہوگی مثلاً کچھ لوگ اپنی ضروریات کی وجہ سے باہر گئے ہوں اور ان کے اہل وعیال کو ان کی ضرورت ہے تو آنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔

ایسے ہی ڈاکٹروں اور ریلیف کے لوگوں کا طاعون زدہ علاقے میں جانا بھی لائق اجر اور قابل ثواب ہے۔ چنانچہ امام غزالی لکھتے ہیں:

''طاعون زدہ شہر میں جانے سے روکا نہیں جائے گا کیونکہ مسلمان جس تکلیف میں مبتلا ہیں اس سے نجات دلانے کے لئے ایک موہوم ضرر کے خطرہ کو گوارا کرلیا جائے گا۔''(۳)

ایسے ہی جو لوگ یہاں کے باشندے نہ ہوں، کسی کام کی وجہ سے عارضی طور پر آنا ہوا ہو اور اب وہ ضرورت باقی نہ رہی اور دوسری جگہ ان کی ضرورت ہے، یا اسی شہر کے لوگ کسی مقصد اور ضرورت سے باہر جانا چاہتے ہوں تو ان کے لئے یہاں سے نکلنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ اپنا طبی معائنہ

(۱) الفار من الطاعون کالفار من الزحف (رواہ احمد وابن خزیمۃ فتح الباری ۱۰/۲۳۱) (۲) عون المعبود ۸/۳۶۹، فتح الباری ۱۰/۲۳۱ (۳) احیاء العلوم مع الاتحاف ۱۲/۲۸۰

کرالیں۔ چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں:

''تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ فرار کے سوا کسی کام یا مقصد سے نکلنا جائز ہے اور اس کی دلیل صریح احادیث ہیں۔''(۱)

اس کی تائید حضرت عمر کے اس طرز عمل سے بھی ہوتی ہے کہ انھوں نے خط لکھ کر طاعون زدہ علاقے سے حضرت ابوعبیدہ کو بلا بھیجا تھا گو انھوں نے آنے سے انکار کردیا، حضرت عمر کا بلانا کس مقصد سے تھا؟ اس کی بہت سی وجہیں بیان کی گئی ہیں جن میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھیں حضرت ابوعبیدہ سے کوئی ضروری کام تھا۔(۲)

متعدی امراض کی وجہ سے فسخ نکاح

امراض وعیوب کی وجہ سے عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کی رائیں مختلف ہیں۔ امام ابوحنیفہ وابو یوسف کی رائے ہے کہ مرد کے مقطوع الذکر اور نامرد ہونے کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے، ان دو کے علاوہ کسی اور مرض وعیب کی وجہ سے مطالبۂ فسخ کا حق نہیں۔ امام محمد اور ائمہ ثلثہ کے یہاں جنون، برص اور جذام کی وجہ سے بھی عورت کو یہ حق حاصل ہوگا(۳) امام محمد کے مسلک کی تفصیل یہ ہے۔

۱- یہ امراض نکاح سے پہلے ہی سے موجود ہوں لیکن عورت اس سے باخبر نہ ہو، بے خبری میں دھوکہ دے کر نکاح کیا گیا۔ نیز نکاح کے بعد عورت نے زبان وعمل سے رضامندی کا اظہار نہ کیا ہو۔

۲- نکاح کے بعد یہ مرض پیدا ہوا ہو۔

۳- خود عورت اس مرض میں مبتلا نہ ہو۔

ان تمام شرطوں کے ساتھ عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے اور مطالبہ کا یہ حق صرف مذکورہ امراض کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وہ مرض جو جنسی تسکین میں حارج بنے، قابل نفرت وکراہت ہو وہ فسخ نکاح کا باعث ہے۔ زیلعی لکھتے ہیں:

''امام محمد کہتے ہیں کہ عورت نکاح کو ختم کرسکتی ہے جبکہ شوہر میں کوئی ایسا فحش عیب ہو کہ اس کی وجہ سے ساتھ میں رہا نہ جاسکتا ہو، اس لئے کہ عورت کے لئے اس عیب کی وجہ سے اپنا حق وصول کرنا دشوار ہوجائے گا۔ لہٰذا یہ عیب بھی

(۱) شرح نووی علی مسلم ۲/۲۲۹ (۲) فتح الباری ۱۰/۲۳۲ (۳) دیکھئے الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۱۷-۵۱۶

شرمگاہ کٹے ہوئے اور نامردی کی طرح ہے۔''(۱)

چونکہ امام محمد کی رائے شریعت کے مزاج و مذاق اور روح و مقاصد سے ہم آہنگ اور قریب تر ہے اس لئے بعد کے فقہاء نے امام محمد ہی کی رائے کو اختیار کیا ہے۔ ہندیہ میں ہے:

''اگر جنون حادث ہو تو نامردی کی طرح ایک سال کی مہلت دی جائے گی (کہ اس دوران اپنا علاج کر سکے) اور اگر مستقل پاگل ہو تو وہ شرم گاہ کٹے ہوئے کی طرح ہے اور اس کو ہم اختیار کرتے ہیں۔''(۲)

لہٰذا اگر کوئی شخص شادی کے بعد ایڈز کے مرض میں گرفتار ہو جائے یا ایڈز کے مریض نے اپنا مرض چھپا کر کسی عورت سے نکاح کر لیا اور عورت نے باخبر اور مطلع ہو جانے کے بعد صراحتاً رضامندی کا اظہار نہ کیا ہو، نیز وہ خود اس مرض میں مبتلا نہ ہو تو اسے فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

اسقاط حمل

اسقاط حمل کی دو صورتیں ہیں:

۱- نفخ روح کے بعد

۲- نفخ روح سے قبل

۱- جدید طبی ذرائع اور حدیث کے مطابق بارآوری کے ایک سو بیس دن بعد جنین میں زندگی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

''تم میں سے ہر ایک رحم مادر میں چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں برقرار رہتا ہے، پھر اتنی ہی مدت ''علقہ'' رہتا ہے، پھر وہ ''مضغہ'' میں تبدیل ہو جاتا ہے، چالیسویں دن فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔''(۳)

نفخ روح کے بعد بہ اتفاق فقہاء اسقاط حرام اور ناجائز ہے۔ احمد علیش مالکی کے الفاظ میں:

''جان پڑ جانے کے بعد اسقاط کی کوشش بالاجماع حرام ہے اور یہ کسی زندہ وجود کو قتل کرنے کے ہم معنی ہے۔''(۴)

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسقاط حمل اور بچوں کو زندہ دفن کر دینے میں باہم کوئی فرق نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''اسقاط حمل اجماعی طور پر حرام ہے اور یہ زندہ درگور کرنا ہے، جس کے

(۱) تبیین الحقائق ۳/ ۲۵ (۲) الہندیہ ۱/ ۵۲۶ ط بیروت (۳) مسلم شریف ۲......۳۳۲ (۴) فتح العلی ۱/ ۳۹۹

سلسلہ میں اللہ کا ارشاد ہے: اور جب کہ زندہ دفن کی گئی بچیوں سے پوچھا جائے گا کہ انھیں کس جرم میں قتل کیا گیا۔''(۱)

اور یہ حقیقت ہے کیونکہ وہ جنین جس میں زندگی کے آثار پیدا ہو چکے ہوں اس میں اور ایک زندہ انسان میں اس کے سوا فرق نہیں کہ ''ایک پردہ رحم میں لپٹا ہوا ہے اور دوسرا اس دنیائے آب و گل میں آ چکا ہے''، لہٰذا روح پڑ جانے کے بعد اسقاط کی کوئی بھی کوشش اسلام کے خلاف ہے، گو وہ بچہ ناقص الخلقت اور متعدی امراض کا حامل ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ اگر اس طرح سے اسقاط کی حوصلہ افزائی کی جاتی رہے تو مفلوج افراد اور بوڑھوں کی زندگی کو ختم نہ کرنے کی کیا وجہ باقی رہ جائے گی، آخر وہ بھی تو سماج اور متعلقین کے لئے بار ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں ''المجمع الفقہی الاسلامی جدہ'' نے بہ اتفاق جو قرارداد پاس کی ہے وہ یہ ہے:

''اور اگر حمل پر ایک سو بیس دن گذر چکے ہوں تو پھر اسقاط جائز نہیں، گرچہ ڈاکٹر کی جانچ سے یہ معلوم ہو جائے کہ بچہ مسخ شدہ ہے۔''(۲)

۲- نفخ روح سے پہلے بھی اسقاط ناجائز ہے گو ابھی ابتدائی مرحلہ ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ درر الاحکام میں ہے:

''جنین جس کے بعض اعضا ظاہر ہو چکے ہوں، مکمل جنین کے حکم میں ہے۔''(۳)

اور علامہ شامی رقم طراز ہیں:

''یہ بات پوشیدہ نہیں ہے، اگر خلقت مکمل ہو چکی ہو اور عورت کے کسی فعل کی وجہ سے بچہ مر جائے تو وہ عورت قتل کی طرح گنہ گار ہوگی۔''(۴)

یہی وجہ ہے کہ فقہاء ابتداء خلقت سے پہلے بھی حمل ساقط کرانے میں وہی ضمان واجب قرار دیتے ہیں جو ایک مکمل جنین کو ساقط کرا دینے کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ سرخسی لکھتے ہیں:

''جب تک کہ منی رحم میں پڑنے کے بعد خراب نہ ہو اس کے اندر حیات کی صلاحیت ہے، لہٰذا اس کو تلف کرنے میں زندہ کی طرح ضمان واجب قرار دیا جائے گا، جیسا کہ حالت احرام میں کوئی شکار کے انڈے کو توڑ دے تو اس پر وہی

(۱) فتاوی ابن تیمیہ ۴/ ۳۱۷ (۲) قرارات المجمع الفقہی الاسلامی ۱۴۰۸ھ - ۱۴۱۰ (۳) درر الاحکام ۲/ ۱۰۹ (۴) ردالمحتار ۵/ ۵۱۹

ضمان ہے جو کسی شکار کی وجہ سے ہوتا ہے۔''(۱)

تاہم یہ جنایت اس درجہ کی نہیں ہے جو ایک زندہ جنین کے بارے میں ہے، لہٰذا ضرورت وحاجت کے وقت اور حالت عذر میں اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

''اگر عورت نفخ روح سے پہلے حمل کو ساقط کرانا چاہے تو کیا اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ فقیہ ابو موسی کی رائے کے مطابق مکروہ ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ منی رحم میں پڑنے کے بعد آخر کار ایک زندہ وجود بنے گی، لہٰذا اس پر زندگی کے احکام جاری ہوں گے جیسا کہ حرم کے شکار کے انڈے کے بارے میں مسئلہ ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ اس رائے کے مطابق جن لوگوں سے جواز منقول ہے وہ حالت عذر پر محمول ہے یا یہ کہ عورت کو اس کی وجہ سے قتل کا گناہ نہیں ہوگا۔''(۲)

لہٰذا اگر جنین ناقص الخلقت ہو یا متعدی امراض کا حامل ہو تو آثار زندگی پیدا ہونے سے پہلے اسقاط کی اجازت ہوگی کیونکہ فقہاء اس سے کم تر عذر کی بنا پر اسقاط کی اجازت دیتے ہیں۔

''حمل پر ایک سو بیس دن گذرنے سے پہلے اگر اسپیشلسٹ، قابل اعتماد ڈاکٹر فنی آلات کی مدد سے ثابت کردیں کہ جنین ایسے مرض میں مبتلا ہے جس کا کوئی علاج نہیں اور خطرناک خلقی نقص سے دوچار ہے، اگر وہ زندہ پیدا ہوجائے تو اس کی زندگی ناگفتہ بہ ہوگی اور گھر والوں کے لئے باعث الم ہوگا تو اس وقت والدین کی خواہش پر اس کا اسقاط کیا جاسکتا ہے۔''(۳)

تعلیم کا مسئلہ

چونکہ ایڈز کا مرض چھونے یا ساتھ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے سے منتقل نہیں ہوتا ہے، اس لئے ایڈز کے مریضوں کو مدارس اور اسکولوں میں داخلہ سے محروم نہیں کیا جائے گا، شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک جذامی کے ساتھ کھانا تناول فرمایا تھا، کیونکہ جذام کے اثرات ان کے اندر بہت کم تھے جو عام طور سے متعدی نہیں ہوتے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''اس کا بھی احتمال ہے کہ جس جذامی کے ساتھ آنحضور ﷺ نے کھانا کھایا تھا اس میں یہ مرض بہت کم تھا اور اس جیسا عام طور پر متعدی نہیں

(۱) المبسوط ۲۶/ ۸۷ (۲) ردالمحتار ۲/ ۳۸۰ (۳) قرارات المجمع الفقہی الاسلامی ۱۴۰۸ھ-۱۴۱۰ھ

ہوتا ہے۔''(۱)

رہا یہ اندیشہ کہ ''مریض بچہ کو چوٹ لگ جائے بچوں کی آپسی لڑائی میں اس جسم سے خون نکل کر دوسرے بچوں کو لگ جائے یا باہم جنسی تعلق قائم کرلیں''، تو اس خدشہ کی وجہ سے تعلیم جیسی نعمت سے ان کو محروم نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے جس کا اعتبار نہیں۔ نیز احتیاطی تدبیروں کے ذریعہ سے روک تھام بھی کی جاسکتی ہے۔

مرض وفات کے احکام

وہ انسان جو اپنے مال وجائداد میں بلا شرکت غیرے تصرف کا مالک ہوا کرتا ہے جب اپنی عمر کی آخری منزل پر پہنچتا ہے تو اس کے تصرفات پر یک گونہ پابندی لگادی جاتی ہے تاکہ ورثاء کو ممکنہ نقصان سے بچایا جاسکے، فقہی اصطلاح میں اس منزل کو ''مرض الموت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ ''مجلّہ احکام عدلیہ'' میں مرض الموت کی یہ تعریف کی گئی ہے:

''جس مرض کی وجہ سے انسان اپنے روزمرہ کے کام انجام نہ دے سکے اور مریض ہونے کے بعد سال گذرنے سے پہلے ہی انتقال کرجائے تو وہ مرض موت ہے۔ بشرطیکہ مرض میں زیادتی یا کوئی تبدیلی نہ ہو۔ اگر مرض بڑھتا رہے تو جس تاریخ سے مرض شدید ہوا ہے یا اس میں تبدیلی ہوئی ہے اسی دن سے مرض موت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ سال بھر سے زیادہ رہے۔''(۲)

فقیہ ابو اللیث کی رائے ہے کہ روزمرہ کے کاموں سے عاجز ہونا یا صاحب فراش ہونا مرض کے ''مرض الموت'' ہونے کے لئے ضروری نہیں بلکہ ہر وہ مرض جس سے عام طور سے لوگ ہلاک ہوجاتے ہیں، زندہ باقی نہیں رہتے ''مرض الموت'' شمار ہوگا۔ علامہ شامی کہتے ہیں کہ مناسب ہے کہ اس قول پر ''اعتماد'' کیا جائے(۳)، علمائے مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ ''القوانین الفقہیہ'' میں ہے:

''مریض دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ مریض جو عام طور پر اس مرض سے ہلاک نہیں ہوتے جیسے سفید داغ اور کوڑھ کا مریض۔ ان پر کوئی پابندی نہیں۔ دوسرے وہ مریض جن کی موت کا اندیشہ ہو جیسے شدید بخار، دق اور نمونیا وغیرہ۔''(۴)

(۱) فتح الباری ۱۰/ ۱۹۸ (۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۴۵۰ (۳) دیکھئے ردالمحتار ۳/ ۳۸۴'ط' ایچ ایم سعید کمپنی پاکستان (۴) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۴۵۰

غرض یہ کہ وہ امراض جو لاعلاج ہوں اور اکثر ان کی وجہ سے موت واقع ہوجاتی ہو ان کے لئے ''مرض الموت'' کا حکم ہوگا۔ بشرطیکہ اس مرض کی وجہ سے ایک سال کے اندر اندر ہی انتقال ہوجائے۔ اگر کسی اضافہ و زیادتی کے مرض جوں کا توں سال بھر برقرار رہا تو اس پر ''مرض الموت'' کا حکم نافذ نہیں ہوگا اور اس کے تمام تصرفات درست سمجھے جائیں گے۔ ہندیہ میں ہے:

''ہمارے اصحاب نے طوالت کی تحدید ایک سال سے کی ہے
،لہٰذا اگر کسی مرض میں سال بھر مبتلا رہے تو سال گذرنے کے بعد اس کے تصرف کا
وہی حکم ہے جو صحتمند لوگوں کا ہے۔''(۱)

لہٰذا ایڈز نیز طاعون و کینسر جیسے مہلک امراض میں مبتلا شخص پر ''مرض الموت'' کے احکام جاری ہوں گے، اگر سال کے اندر ہی انتقال ہوجائے، ورنہ ان کے تصرفات درست سمجھے جائیں گے۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب ہے کہ ''مرض وفات'' کی وجہ سے صرف انہی تصرفات پر پابندی لگائی جائے گی جو تبرعات کے قبیل سے ہیں۔ مثلاً ہبہ، صدقہ، وصیت، وقف وغیرہ۔ نیز یہ تصرفات ایک تہائی مال سے زائد میں نافذ نہ ہوں گے۔ رہا ایک تہائی مال تو اس میں اس کے تمام مذکورہ تصرفات درست ہوں گے۔

وہ ''تصرفات'' جو ضروریات زندگی میں شامل ہیں اس پر کوئی پابندی نہ ہوگی، یہاں تک کہ اگر وہ شادی کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ البتہ اگر وہ بیوی کو طلاق اس مقصد سے دیتا ہے کہ وہ وراثت سے محروم ہوجائے تو درست نہیں اور بیوی وراثت کی حقدار ہوگی۔ بشرطیکہ عورت اس طلاق پر راضی نہ ہو اور شوہر نے اپنی مرضی سے بلا اکراہ طلاق دیا ہو۔(۲)

میڈیکل جانچ پر کمیشن

کسی معاملہ کے جائز ہونے کے لئے باہمی رضامندی اور خوش دلی ضروری ہے، رضامندی کے بغیر کسی پر کوئی معاملہ تھوپنا شریعت کی نگاہ میں سخت ناپسندیدہ اور ممنوع ہے، گرچہ وہ مجبوری کی وجہ سے بظاہر اسے قبول کرلے، یہی وجہ ہے کہ خرید وفروخت کے ساتھ شرط لگانے کی ممانعت کی گئی ہے(۳) اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

''سنو خوش دلی کے بغیر کسی انسان کا مال حلال نہیں ہے۔''(۴)

(۱) الہندیہ ۴/۶۳ (۲) دیکھئے ردالمحتار ۳/۳۸۶ (۳) دیکھئے بلوغ المرام ۱۴۴
(۴) مشکوٰۃ المصابیح ۲/۸۸۹

ریفر کرنے اور جانچ کرانے پر کمیشن لینا، رشوت کے حکم میں ہے اور خوش دلی کے بغیر مجبوری سے فائدہ اٹھا کر دوسرے کے مال کو ہڑپ لینا ہے اور مریض کو مال تجارت بنا کر بیچنا ہے، جو کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔

اگر کسی ڈاکٹر کو مرض سمجھ میں نہ آئے تو اس کا ''فرض'' ہے کہ وہ کسی اچھے اور قابل اعتماد ڈاکٹر کو ریفر کردے۔ اگر واقعی جانچ کی ضرورت ہو تو جانچ کرائے، یہ ایک ڈاکٹر کے لئے دینی، اخلاقی اور قانونی فریضہ ہے، مریض کوئی قابل فروخت مال نہیں ہے جس پر کمیشن لیا جائے۔

اسی طرح سے محض کمیشن حاصل کرنے کے لئے ریفر کرنا اور کسی خاص جگہ سے جانچ کرانے اور کسی مخصوص دوکان سے دوا خریدنے کا پابند بنانا بھی مریض کے ساتھ دھوکہ اور ناجائز ہے۔

ڈاکٹر کا پیشہ ایک پاکیزہ اور باعزت پیشہ ہے، اس کا اصل مقصد خدمت خلق ہے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس پیشہ سے امانت ودیانت ختم ہوتی جارہی ہے اور خدمت کی جگہ تجارتی ذہنیت لے رہی ہے، ڈاکٹروں کو اس پہلو پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

صحیفہ ھمام بن منبہؒ

ھمام بن منبہ مشہور تابعی اور ابوہریرہؓ کے شاگرد ہیں۔ آپ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی اپنی مرویات کو ایک صحیفہ میں جمع کیا تھا جسے "الصحیفۃ الصحیحۃ" کہا جاتا تھا۔ یہ صحیفہ ایک زمانہ تک غائب تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے دمشق اور برلین میں اس کے دو مخطوطے دریافت کئے اور اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ اس کو شائع فرمایا۔ اس صحیفہ میں کل ۱۳۸ احادیث ہیں۔ امام احمدؒ نے اس صحیفہ کی جملہ مرویات کو مسند احمد میں درج کیا ہے اور امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں کثرت سے اس سے احادیث نقل کی ہیں۔

(اصول الحدیث: محمد عجاج الخطیب ص۱۳۰)

ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری اور ان کی تالیف ”السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ“ ایک مطالعہ

محمد صلاح الدین عمری☆

تابعین میں اولین سیرت نگاروں اور ان کے بعد کے سیرت نگاروں اور ان کی کاوشوں کے کئی مطالعات جدید دور میں سامنے آئے ہیں۔ حاشیہ پر مثال کے طور پر سیرت نگاری کی تاریخ کے جامع مطالعات میں مندرجہ ذیل تالیفات کا ذکر کیا گیا ہے:

هوروو تز: المغازی الأولی ومؤلفوها
مارگولیتھ: دراسات عن المؤرخین العرب
عبد العزیز الدوری: نشأة علم التاریخ عند العرب
صالح العلی: محاضرات فی تاریخ العرب قبل الاسلام کی متعلقه فصل
سیدة اسماعیل کاشف: دراسة فی مصادر التاریخ الاسلامی
مارسڈن جونس: مغازی الواقدی پر مقدمه
حسین نصار: نشأة التدوین التاریخی عند العرب

ان مطالعات کے علاوہ مخصوص مطالعات میں الدوری کا مقالہ ”دراسۃ فی سیرۃ النبی ﷺ ومؤلفھا ابن اسحاق“، Fuck کا انگریزی میں محمد بن اسحاق کا مطالعہ، خالد العسلی کا المدائنی پر مقالہ اور موسی بن عقبہ پر اکرم عمری کا مقالہ۔ وہ لکھتے ہیں کہ دیگر رواۃ مغازی کے سلسلہ میں بھی دقیق مطالعات کی شدید ضرورت ہے (۱۴)، لیکن وہ لکھتے ہیں کہ ان مطالعات سے ان کے جرح وتعدیل

☆ پروفیسر، شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

کے احوال پر روشنی نہیں پڑتی اور نہ حدیثی پہلو سے مصطلح حدیث کے قواعد کے مطابق ان کی مصنفات کی قدر و قیمت کا تعین ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عمری نے ان تمام سیرت نگاروں اور ان کی مصنفات کا ذکر صحت وعدم صحت کے سلسلہ میں اپنے تحقیقی ملاحظات کے ساتھ کیا ہے۔

ان اولین سیرت نگاروں میں ابان بن عثمان بن عفان (م ۱۰۱-۱۰۵ھ) جو تابعین میں ثقہ محدث کی حیثیت سے معروف ہیں۔ عروۃ بن الزبیر بن العوام (م ۹۴ھ) جو تابعین میں ثقہ محدث ہیں اور مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ صاحب کتاب المغازی عامر بن شراحیل الشعبی (م ۱۰۳ھ) بھی ثقہ محدث ہیں۔ عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۱۹ھ)، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ) جو اپنے دور کے بڑے محدثین میں شمار ہوتے ہیں، شرحبیل بن سعد المدنی (م ۱۲۳ھ)، یزید بن ھارون الأسدی المدینی (م ۱۳۰ھ)، عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم (م ۱۳۵ھ)، موسی بن عقبہ (م ۱۴۰ھ) جو زہری کے تلامذہ میں ثقہ محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ امام مالک (۱۵)، یحییٰ ابن معین (۱۶) اور امام شافعی (۱۷) نے مغازی میں ان کی کتاب کو اصح المغازی قرار دیا ہے، سلیمان بن طرخان التیمی (م ۱۴۳ھ)، ان کی کتاب ”السیرۃ الصحیحۃ“ مفقود ہے، البتہ اس کا ایک حصہ ۷۷ صفحات پر مشتمل فون کریمر نے ہندوستان سے ”کتاب المغازی“ کے آخر میں شائع کیا تھا۔ معمر بن راشد (م ۱۵۳ھ)، یہ بھی زہری کے تلامذہ میں ہیں، محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) زہری کے تلامذہ میں ہیں اور امام المغازی کہے جاتے ہیں لیکن ان کی مرویات درجہ صحت تک نہیں پہنچتیں۔ ڈاکٹر عمری نے اس موضوع پر ایک طویل بحث کی ہے (۱۸)، یونس بن بکیر (م ۱۹۵ھ)، ابو معشر السندی (م ۱۷۱ھ) جو مغازی کی بصیرت تو رکھتے ہیں لیکن ضعیف ہیں، یحییٰ بن سعید الأموی (م ۱۹۴ھ) صاحب مغازی ثقہ محدث ہیں، الولید بن مسلم الدمشقی (م ۱۹۶ھ) ثقہ محدث ہیں۔ یونس بن بکیر (م ۱۹۹ھ)، محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ) محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ اس پر مفصل گفتگو کی گئی ہے (۱۹)، محمد بن عائذ الدمشقی (م ۲۳۴) ثقہ محدث ہیں۔ علی بن محمد المدائنی (م ۲۲۵ھ) ان کے سلسلہ میں اختلافات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ المدائنی اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ انھوں نے سیرت کے موضوعات کو ایک مصنف میں جمع کیا تھا اور سیرت کے اجتماعی اور اقتصادی پہلوؤں کے مطالعہ میں یہ ایک اہم پیش رفت تھی۔ اس کا ضیاع علم تاریخ کا بڑا خسارہ سمجھا جاتا ہے (ص ۶۳-۶۴)۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عمری نے صالح بن اسحاق الجرمی النحوی (م ۲۲۵ھ)، اسماعیل بن جمیع (م ۲۷۷ھ) مؤلف 'اخبار النبی ومغازیہ وسرایاہ'۔ صاحب 'مغازی

سعید بن یحییٰ بن سعید الأموی (م ۲۴۹ھ) ثقہ محدث ہیں۔ أحمد بن حارث الخزّاز (م ۲۵۸ھ) مؤلف 'مغازی النبی وسرایاہ و أزواجہ'۔ صاحب المغازی عبدالملک بن محمد الرقاشی البصری (م ۲۷۶ھ)۔ صاحب المغازی ابراہیم بن اسماعیل العنبری الطّوسی (م ۲۸۰ھ)۔ صاحب المغازی اسماعیل بن اسحاق القاضی (م ۲۸۲ھ) کا ذکر بھی کیا ہے۔ (۲۰)

علاوہ ازیں کتب تراجم کے حوالہ سے ان تابعین اور تبع تابعین کا بھی ذکر کیا ہے، جن کے سلسلہ میں مصادر سے سیرت کے موضوع پر تالیف کی تو صراحت نہیں ملتی البتہ سیرت کے اہتمام کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں عکرمہ مولی ابن عباس، ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی (م ۱۲۷ھ)، یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ المدینی (م ۱۲۸ھ)، داؤد بن الحسین الأموی (م ۱۳۵ھ)، عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز الحنیفی (م ۱۶۲ھ)، محمد بن صالح بن دینار (م ۱۶۸ھ)، عبداللہ بن جعفر المخرمی المدینی (م ۱۷۰ھ) شامل ہیں۔

بعدازیں وہ لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا مصنفات جن کا ذکر کیا گیا ان میں سے بیشتر مفقود ہوگئیں۔ لیکن آگے آنے والے مصادر وہ ہیں جنھوں نے ان مفقود مصنفات پر اعتماد کیا اور ان سے اسانید کے ساتھ کثیر مواد نقل کیا۔ لہٰذا ان کی مصنفات کی اساس وہ اولین مصنفات ہی ہیں (جو مفقود ہوگئیں) نہ صرف مادہ میں بلکہ طریقہ عرض میں بھی۔ چنانچہ سیرت کے مشہور ترین مصادر جو ہم تک پہنچے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

'سیرت ابن ہشام' جو سیرت ابن اسحاق کی تہذیب ہے۔ ابن ہشام نے اس میں اکثر اسرائیلیات اور منحول اشعار کو حذف کر دیا اور لغت وانساب کے سلسلہ میں مزید معلومات کا اضافہ کیا۔ جس کی وجہ سے تہذیب کے بعد وہ جمہور علماء کے نزدیک قابل قبول ہوگئی۔ بعد میں تالیف کی جانے والی تالیفات سیرت میں کوئی بھی تالیف ایسی نہیں جس نے اس سے بھرپور مدد نہ لی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی مغازی میں حیات رسول ﷺ کی جو شکل وصورت ملتی ہے وہ بڑی حد تک کتب حدیث صحیحہ کی شکل وصورت کے قریب تر ہے۔ حافظ السہیلی (م ۵۸۱ھ) نے اپنی تالیف 'الروض الأنف' میں 'سیرت ابن ہشام' کی شرح کی ہے۔

محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ) کی 'الطبقات الکبریٰ'۔ جس کی دو اولین جلدیں سیرت کے لئے مختص ہیں۔ ابن سعد ثقہ ہیں۔ الخطیب البغدادی اور العسقلانی کی رائے ہے کہ وہ اپنی اکثر روایات میں تلاش وجستجو اور کھوج کرتے ہیں، لیکن ضعفاء سے بھی نقل کرتے ہیں مثلاً واقدی جن سے انھوں

نے کثرت سے نقل کیا ہے حتی کہ ابن الندیم نے ان پر سرقہ کا الزام لگایا ہے، لیکن چھان بین سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن سعد کا اپنا منہج ہے، وہ جس طرح واقدی سے نقل کرتے ہیں اسی طرح دوسرے شیوخ سے بھی نقل کرتے ہیں۔ ان میں عفان بن مسلم، عبیداللہ بن موسی اور الفضل بن دکین بھی ہیں اور یہ تینوں ثقہ محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔

'تاریخ خلیفۃ بن خیاط' خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰ھ) ثقہ محدث ہیں۔ امام البخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ ان کی یہ تاریخ عام تاریخ ہے، لیکن ابتدا میں مختصراً درجہ اول میں ابن اسحاق پر اعتماد کرتے ہوئے سیرت کے واقعات بیان کئے ہیں۔

احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری (م ۲۷۹ھ) کی 'أنساب الأشراف' نسب کی بنیاد پر مرتب تاریخ عام ہے۔ لیکن قسم اول سیرت کے لئے مختص ہے۔ محدثین کے نزدیک البلاذری ضعیف ہیں۔

محمد بن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ) کی 'تاریخ الرسل والملوک' اس تاریخ کی بھی ایک قسم سیرت کے لئے مخصوص ہے۔ طبری ثقہ ہیں اور انھوں نے درجہ اول میں ابن اسحاق پر اعتماد کیا ہے۔ طبری کا منہج یہ ہے کہ وہ صحت وضعف کی حیثیت سے روایات پر نقد کرنے کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ اسانید کے ساتھ ان کا ذکر کر کے تحقیق کی ذمہ داری قاری پر چھوڑ دیتے ہیں۔

اپنے زمانہ کے مشہور محدث ابن عبدالبر القرطبی (م ۲۶۳ھ) کی 'الدرر فی اختصار المغازی والسیر' بھی اہم مصدر ہے۔ القرطبی نے اپنی اس تالیف میں کتب حدیث کے علاوہ سیرت ابن اسحاق، سیرت موسیٰ بن عقبہ اور تاریخ ابن ابی شیبہ پر اعتماد کیا ہے۔ علاوہ ازیں:

ابن حزم الظاہری (م ۴۵۶ھ) کی 'جوامع السیرۃ'

ابن اثیر الجزری (م ۶۳۲ھ) کی 'الکامل فی التاریخ'

ابن سید الناس (م ۷۳۴ھ) کی 'عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر'

ابن قیم الجوزیہ (م ۷۵۱ھ) کی 'زاد المعاد فی ھدی خیر العباد'

حافظ الذھبی (م ۷۴۸ھ) کی 'السیرۃ النبویۃ'

حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کی 'البدایۃ والنھایۃ'

المقریزی (م ۸۳۷ھ) کی 'امتاع الأسماع'

أحمد بن محمد القسطلانی (م ۹۲۳ھ) کی 'المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ'

محمد بن عبدالباقی الزرقانی (م ۱۱۲۲ھ) کی 'شرح المواھب اللدنیۃ'

برہان الدین الحلبی (م ۱۰۴۱ھ) کی 'السیرۃ الحلبیۃ'

محمد بن یوسف الدمشقی الشامی (م ۹۴۲ھ) کی 'سبل الهدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد'۔

ڈاکٹر عمری لکھتے ہیں کہ یہ اہم مصادر سیرت ہیں جو درجہ کے اعتبار سے قرآن وحدیث کے بعد آتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں سے ہر مصدر صحت کے اعتبار سے ایک ہی قدر و قیمت کے ہیں۔ ان میں صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ سیرت کے مطالعات میں اولین درجہ میں صحیح پر اعتماد کرنا چاہئے۔ پھر صورت وشکل کی تکمیل کے لئے حسن یا حسن سے قریب تر روایات کا سہارا لینا چاہئے، لیکن عقائد وتشریع سے متعلق کسی معاملہ میں ضعیف سے رجوع نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ اگر قوی روایات موجود نہ ہوں تو ضعیف سے رجوع کیا جاسکتا ہے، لیکن صرف ان معاملات میں جو مکارم اخلاق، عمران، صناعات یا زرع وغیرہ سے متعلق ہوں۔ یہی منہج محدثین نے اختیار کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی (م ۱۹۷ھ) کا قول ہے: ''جب ہم نبی ﷺ سے حلال وحرام اور احکام کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو اسانید میں شدت اختیار کرتے ہیں اور رجال کے سلسلہ میں نقد کرتے ہیں اور جب فضائل اور ثواب وعقاب کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو اسانید سے سہل رویہ اپناتے ہیں اور رجال کے بارے میں تسامح سے کام لیتے ہیں۔'' (۲۱) ان کی رائے ہے کہ محدثین کے وضع کردہ نقد حدیث کے قواعد کے مطابق سیرت کے اسانید ومتون کی تمحیص کی اشد ضرورت ہے۔ اس کام میں اس بات سے مدد ملتی ہے کہ اہم مصادر سیرت روایات کو اسانید کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

ان مصادر کے بعد ڈاکٹر عمری نے مصادر تکمیلیہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ وہ مصادر ہیں جو صورت شکل کے خدوخال کی تکمیل کرتے ہیں اور مصادر اصلیہ سے صورت واقعہ کے بیان کے بعد اگر کچھ خلا رہ گیا ہے تو ان مصادر تکمیلیہ سے اسے پر کیا جاتا ہے۔

چنانچہ کتب ادب سے معیشت، لباس کی اقسام، وضع قطع، کھانوں کی تفصیلات، عادات و اطوار اور ثقافتی زندگی کی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ خاص طور پر شاعری عقلی اور اجتماعی زندگی کی تصویر کشی اور معرکوں کی منظر نگاری کرتی ہے۔ حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کی مثال اس حوالہ سے پیش کی جاسکتی ہے، لیکن خیال رہے کہ کتب ادب شاذ اور غریب وطریف پر بھی توجہ دیتی ہیں، لہٰذا اس کی تعمیم کی سنگینی پر توجہ بہرحال رہنی چاہئے۔

کتب معرفت صحابہ، جن میں انساب واخبار اور کتب سیرت کے رجال اسانید کا تذکرہ

ہوتا ہے اور تاریخ وجغرافیہ کی کتب بھی مصادر سیرت میں شمار ہوتی ہیں۔

آخر میں وہ پھر اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ ہمارے اسلامی تاریخی مطالعات اس وقت تک امت کی تاریخ کے بارے میں علمیت وصداقت کے اعتبار سے ناقص ہیں جب تک کہ تاریخی مناہج نقد وتفسیر مکمل نہیں ہوتے۔

یوروپی فکر نے طبیعت تاریخ اور مناہج نقد وتفسیر پر بہت کچھ مواد فراہم کیا ہے۔ ان میں سے بعض کا عربی میں ترجمہ بھی ہوگیا ہے، لیکن یہ مطالعات مغربی نقطۂ نظر کی عکاسی کرتے ہیں اور یوروپی فلسفۂ حیات کے منبع سے پھوٹے ہیں۔ یوروپی تاریخ کے مطالعات کے مسائل ومشاکل، اس کا طبعی مزاج اور اس کی تطبیقات اس سے ماخوذ ہیں۔ ہم کو اسی معیار کے مطالعات کی ضرورت ہے جو ہمارے عقیدہ سے پھوٹتے ہوں اور ہماری تاریخ اور اس کے مزاج سے ہم آہنگ ہوں۔

بعض عرب مسلم علماء و محققین جنھوں نے اس طرف پیش قدمی کی ہے اور اس پہلو سے مفید تصورات پیش کرکے اولین مطالعات پیش کئے ہیں، ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر عمری نے حاشیہ پر اس قسم کے مطالعات میں سید قطب کی 'فی التاریخ فکرۃ ومنهاج''، فتحی عثمان کی ''أضواء علی التاریخ الاسلامی'، عبدالرحمٰن الحجی کی ''نظرات فی دراسۃ التاریخ الاسلامی''، عماد الدین خلیل کی ''التفسیر الاسلامی للتاریخ'' اور عبدالحمید صدیقی کی ''تفسیر التاریخ'' کا ذکر بطور مثال کیا ہے۔ (۲۲) وہ لکھتے ہیں کہ اسی قسم کی مسلسل کوششیں بحث وتحقیق کا ایک مکمل منہج اور تفسیر تاریخ اسلامی کا ایک جامع نظریہ - جو صحیح اسلامی رجحانات کا عکاس ہوگا - سامنے لانے کا سبب ہوسکیں گی۔

'السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ' کو چار فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ 'الرسول فی مکۃ' عنوان سے فصل اول کے تحت مؤلف نے آپ ﷺ کی مکی زندگی کی متعلقہ تفصیلات مختلف ذیلی عنوانات کے تحت بیان کی ہیں۔ فصل ثانی میں 'الرسول فی المدینۃ (خصائص المجتمع المدنی وتنظیماتہ الأولی واجلاء الیهود)' عنوان کے تحت جملہ متعلقہ تفصیلات کا ذکر ہے۔ فصل ثالث 'الرسول فی المدینۃ (الجهاد ضد المشرکین)' میں جہاد کی تشریع اور غزوات کا بیان ہے اور فصل رابع 'الرسالۃ والرسول ﷺ' عنوان کے تحت مختلف ذیلی عنوانات قائم کرکے اس سے متعلق تفصیلات دی گئی ہیں۔ اس فصل میں عالم الغیب، الألوهیۃ والعبودیۃ، النبوات، الایمان بسائر الأنبیاء وأثرہ، بشریت رسول، ختم نبوت اور پیام اسلام کی عمومیت، قرآن رسول ﷺ کا دائمی معجزہ، انسان کی تبصیر میں قرآن کا اثر، قرآن کا تعارض سے خالی ہونا، قرآن کے سلسلہ میں اس دعوی کی حقیقت کہ اس میں ریاضیاتی اعجاز

پایا جاتا ہے، رسول ﷺ کے حسی معجزات، عبادت میں رسول ﷺ کا طریقہ، نبی رحمت، ایمان سے رسول ﷺ کی محبت، امہات المومنین، فضیلت صحابہ اور ان سے محبت و موالات کی فرضیت، اللہ کی اطاعت میں صحابہ کرام کی پیش قدمی، اللہ کی اطاعت کی دعوت کے لئے صحابہ کا خود کو فارغ کر لینا، ہجرت کی فضیلت جیسے عنوانات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

فصل اول میں جو عنوانات قائم کئے گئے ہیں ان میں ''صفۃ رسول اللہ'' کے ذیلی عنوان کے تحت رسول کریم ﷺ کی جسمانی اور اخلاقی صفات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''آپ ﷺ کی سیرت کے مطالعہ اور آپ ﷺ کی اخلاقی صفات کے سلسلہ میں احادیث نبویہ کی قرأت سے جو شکل وصورت واضح ہوتی ہے اس کے مطابق آپ کی شخصیت میں تواضع تھا لیکن پروقار، حیا تھی لیکن شجاعت کے ساتھ۔ آپ ﷺ ظاہرداری سے دور کرم صادق کی صفت سے متصف اور لوگوں میں امانت کے لئے مشہور تھے۔ آپ ﷺ کے قول وعمل میں صداقت، دنیا کی آمد پر اس سے بے رغبت، منھ موڑنے پر اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنے جیسی بے توجہی، ہر بات اور ہر عمل میں اخلاص للہ کے جذبہ سے معمور تھے اور فصاحت لسان، ثبات جنان (ثبات قلب)، قوت عقل، حسن فہم کی صفات سے متصف تھے۔ ہر بڑے چھوٹے کے لئے مجسم رحمت، نرم خو، لچک دار، رحم دل، شریف الطبع تھے۔ غلط کار کے حق میں عفوودرگذر پسند اور سختی، سنگ دلی اور تندمزاجی سے دور، شدائد و مصائب کے مواقع پر ہمیشہ صبروثبات کا پیکر اور قول حق میں جرأت و جسارت کی علامت تھے۔''(۲۳)

آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش کے سلسلہ میں ڈاکٹر عمری نے تمام روایتوں کے مقابلہ میں ابن اسحاق کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ لکھتے ہیں:

''مؤرخین میں آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش اور ماہِ پیدائش کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق کے نزدیک آپ ﷺ کی پیدائش ۱۲ر ربیع الاول کو ہوئی۔ واقدی کا خیال ہے کہ ۱۰ر ربیع الاول کو ہوئی اور ابو معشر السندی کے نزدیک ۲ر ربیع الاول کو آپ کی پیدائش ہوئی اور ابن اسحاق ان تینوں میں معتبر تر ہیں۔''(۲۴)

ہجرت رسول ﷺ کی مکمل تفصیلات صحیح روایات کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مدینہ میں آپ ﷺ کا استقبال کرنے والے انصار کی تعداد پانچ سو تھی۔ حضرت براء بن عازب، جو چشم دید گواہ ہیں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: ''میں نے اہل مدینہ کو کسی چیز سے اتنا خوش نہیں دیکھا جتنا کہ رسول اللہ ﷺ (کی آمد) سے خوش تھے۔''(۲۵)

وہ لکھتے ہیں کہ جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جو یہ بتاتی ہیں کہ آپ ﷺ کا استقبال ''طلع البدر علینا من ثنیات الوداع'' سے کیا گیا تو اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت وارد نہیں ہوئی ہے۔(۲۶)

فصل دوم میں 'اہل الصفۃ' کے تحت فقراء مہاجرین، الصفہ کی لغوی بحث، سکان صفہ، تعداد اہل صفہ اور ان کے نام، ان کا علم، عبادت اور جہاد کے لئے خود کو فارغ کر لینا، ان کے کپڑے، ان کا کھانا، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا ان کی دیکھ ریکھ رکھنا، اہل صفہ کے بارے میں نازل ہونے والی قرآنی آیات اور اہل صفہ کے مؤرخین وغیرہ جیسے ذیلی عنوانات کے تحت تفصیلی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ان کی اقتصادی حالت، ان کے شب وروز کی مشغولیات، بالخصوص عبادت وریاضت، شب بیداری، تلاوت قرآن اور حصول علم میں ان کے شغف پر وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ بنیادی طور پر اہل صفہ میں وہ مہاجرین تھے جو اپنی اقتصادی ومعاشی کمزوری کی وجہ سے یہاں قیام پذیر تھے یا پھر یہاں قیام کرنے والوں میں وہ پردیسی بھی ہوتے جو کسی وفد میں شامل ہوتے اور آپ ﷺ کی خدمت میں اسلام واطاعت رسول ﷺ کے اظہار کے لئے حاضر ہوتے۔ یہ صفہ والے عبادت اور علم کے لئے خود کو فارغ کر لینے کے باوجود وہ اپنی اجتماعی ذمہ داریوں سے غفلت نہیں برتتے۔ ان میں شہداء بدر بھی ہیں اور شہداء احد بھی، شرکاء حدیبیہ بھی ہیں اور شہداء خیبر وتبوک بھی۔ ان مہاجرین اور پردیسیوں کی زہد وفقر کی زندگی کی محبت نے بعض انصار کو بھی اہل صفہ میں شامل کر لیا تھا۔ اگرچہ وہ اس سے مستغنی تھے اور مدینہ میں ان کے اپنے گھر موجود تھے۔ ان انصار اہل صفہ میں کعبؓ بن مالک الانصاری، حنظلہؓ بن أبي عامر الأنصاری (غسیل الملائکہ) اور حارثہؓ بن نعمان الانصاری وغیرہ شامل ہیں۔

آخر میں وہ لکھتے ہیں:

''اللہ رحم کرے قوّامین، صوّامین، مجاہدین اور زاہدین اہل صفہ پر۔ اللہ عظیم نے صحیح فرمایا ہے: "يحسبهم الجاهل أغنياء من التعفف تعرفهم بسيماهم لا يسألون الناس

الحافا“ جاہلی معاشرہ کے فقراء و مفلسین میں یہ نمونہ کہاں مل سکتا ہے؟ جاہلی معاشرہ میں تو یہ طبقہ ایسے ٹولوں کو جنم دیتا ہے جو چوری چکاری، قتل و غارت اور طرح طرح کے ظلم و زیادتی کے نمونے پیش کرتے ہیں اور جو سماج سے استقرار اور احساس امن ختم کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ یہ فرق ہے تربیت محمد ﷺ اور جاہلی تربیت کے درمیان......اور یہی فرق ہے نظامِ الٰہی اور بشری نظاموں میں۔(۲۷)

اعلان دستور المدینہ (معاہدہ) کے تحت مدینہ پہنچ کر رسول کریم ﷺ نے باشندگان مدینہ کے درمیان تعلقات کو منظّم کرنے کے لئے جو صحیفہ مرتب کیا تھا اس میں مدینہ اور اطراف مدینہ میں رہنے والے تمام لوگوں کے التزامات کی وضاحت تھی۔ حقوق و واجبات کی تحدید تھی۔ اس صحیفہ کو قدیم مصادر میں کتاب اور صحیفہ کا نام دیا گیا ہے اور جدید مطالعات میں اس کو دستور اور وثیقہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عمری نے پہلے تو اس صحیفہ کے طرق روایت پر روشنی ڈالی ہے اور ان طرق کا تحلیل و تجزیہ کیا ہے۔ تا کہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ اس کی صحت کا معیار کیا ہے۔ خاص طور پر اس رائے کی وجہ سے یہ اور بھی ضروری ہے جس کا اظہار یوسف العش نے فلهوشن کی کتاب ’الدولة العربية وسقوطها‘ کے ترجمہ کے دوران حاشیہ پر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ وثیقہ موضوع ہے۔(۲۸) ڈاکٹر عمری اس صحیفہ کے مختلف طرق کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ مختلف طرق سے اس صحیفہ کے ورود میں علاوہ بعض عبارتوں کی تقدیم و تاخیر، بعض مفردات کے اختلاف یا چند دفعات کے اضافہ کے ایسا کوئی بہت بڑا فرق و اختلاف نہیں ہے کہ جس سے عام مضمون متاثر ہوتا ہو۔ استاذ عش کی یہ رائے اس وجہ سے ہے کہ ان کے سامنے سارے طرق نہیں ہیں۔ اس پہلو سے ایک طویل بحث کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ چونکہ کتب احادیث سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے لہٰذا اس میں شک کی گنجائش نہیں۔ یہ اگرچہ احکام شریعت کے سلسلہ میں قابل احتجاج نہیں ہے لیکن تاریخی مطالعہ کے لئے مناسب ہے۔ کیونکہ تاریخی مطالعہ میں اس درجہ کی صحت کی ضرورت نہیں ہوتی جس کی احکام شریعت کے لئے ہوتی ہے۔ اس کے بعد تاریخ کتابت وثیقہ پر ایک طویل بحث اور نص وثیقہ کی تفصیلات مرتب کی گئی ہیں۔ آخر میں اس کا تحلیلی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ ’وثيقة موادعة اليهود‘ اور ’وثيقة الحلف بين المهاجرين والانصار‘ کی دفعات کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی فصل میں یہود مدینہ کی معاہدہ شکنی اور ان کی شہر بدری پر تفصیلی بحث ہے۔

فصل سوم ’الرسول ﷺ فی المدینۃ‘ (الجهاد ضد المشركين) میں تشریع جہاد، تحویل قبلہ اور غزوات رسول ﷺ کا مفصل بیان کے علاوہ عام الوفود، حج ابی بکر بالناس، حجۃ الوداع، جیش اسامہ

بن زید کی تیاری اور فصل کے آخر میں آپ ﷺ کی وفات کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

فصل چہارم میں ’امہات المومنین‘ عنوان کے تحت ڈاکٹر عمری نے آپ ﷺ کی سیرت کے خانگی اور داخلی زندگی کے روشن پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”سیرت رسول ﷺ پر غور و خوض کرنے والے کو آپ ﷺ کے حسن ذوق، خوش طبعی، کرامت اخلاق، حسن معاشرت، نرم روی، لطافت، اعتدال مزاجی، عدل گستری، صدق کلامی کی بہت سی شاندار مثالیں ملیں گی اور یہ اخلاقی کمال آپ ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی صدق وسچائی سے پر تھی، آپ کے رشتوں اور تعلقات پر صدق وسچائی کی حکمرانی تھی اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال پر صدق وسچائی کی چھاپ تھی۔ لہٰذا اس میں کوئی اچنبھے اور حیرت کی بات نہیں کہ آپ کی دعوت پر سب سے پہلے ایمان لانے والے وہ لوگ تھے جو آپ ﷺ کے قریب تر تھے اور جو آپ ﷺ سے سب سے زیادہ واقف تھے۔ ان میں آپ ﷺ کی زوجہ حضرت خدیجہؓ، آپ ﷺ کے ابن عم (چچازاد) حضرت علیؓ اور آپ کے دوست حضرت ابوبکرؓ، آپ ﷺ کے مولی حضرت زیدؓ، یہ سب کے سب ساری زندگی دعوت اسلام کے تئیں وفادار رہے اور اس کی راہ میں نفس و نفیس (جان و مال) کی قربانیاں دیتے رہے۔“(۲۹)

ہر زوجۂ مطہرہ سے آپ کے زواج کی حکمت و مصلحت اور ضرورت دینی پر مدلل گفتگو کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ کیا حیات نبی ﷺ کے اس پاک و شفاف رخ کو گندہ و ناپاک کرنے والے، آپ ﷺ کی شخصیت پر کیچڑ اچھالنے والے اور آپ ﷺ کی سیرت کے حوالہ سے کذب بیانی کرنے والے اب بھی اپنی زبان دراز رکھیں گے اور اب بھی بے شرمی اور ہٹ دھرمی سے آپ ﷺ کی روشن اور شفاف شخصیت کے اس پہلو کو اپنے ناپاک منصوبوں کا ہدف بناتے رہیں گے۔(۳۰)

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ سے آپ ﷺ کے زواج کے سلسلہ میں انھوں نے خصوصی توجہ دی ہے اور وحی الٰہی کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ یہ پورا کا پورا واقعہ امر الٰہی کی تنفیذ تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”درحقیقت اس زواج کے عقد میں براہ راست وحی الٰہی کا دخل ہے۔ اسی طرح آخر میں اس بندھن کو توڑنے میں بھی وحی الٰہی نے مداخلت کی ہے اور

اس مداخلت کا سبب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس جاہلی عرف یعنی نظام تبنی کے سایہ تلے جو ناانصافی اور غیر فطری طریقے مروج تھے، کو ختم کرنا مقصود تھا جس کی جڑیں معاشرہ میں اتنی گہری تھیں کہ نظریاتی طریقہ سے اس کے خلاف کوئی ہدایت ناکافی تھی اور عملی طور پر اس کا قلع قمع کرنا ضروری تھا۔ اللہ کے اس حکم کو ہی نافذ کرنے کے لئے آپ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ کا نکاح اپنے متبنی حضرت زیدؓ سے کیا۔ اگرچہ حضرت زینب اس نکاح کے حق میں نہیں تھیں اور اس عدم رضا کی ہی وجہ سے عقد نکاح کے بعد ان دونوں کے درمیان توافق وہم آہنگی نہیں پیدا ہو پائی۔ حضرت زیدؓ نے جب جب آپ ﷺ سے اس کی شکایت کی آپ ﷺ نے، اللہ کے اس فیصلہ کے علم کے باوجود کہ بالآخر خود آپ ﷺ کو اپنی بنت عم سے نکاح کرنا ہے، حضرت زید کو یہی ہدایت کی کہ وہ ابھی روکے رکھیں اور آپ ﷺ نے اپنے علم کو چھپائے رکھا، کیونکہ ایک اہم معاملہ میں اعراف مستقرہ کا مقابلہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ جاہلی رسوم وعادات میں اپنے متبنی سے نکاح ناجائز تھا۔ عرب کیا کہیں گے اور خود مسلمانوں میں ضعیف الایمان افراد کیا کہیں گے؟...... حضرت زینب رسول ﷺ سے دور نہیں تھیں، بلکہ آپ ﷺ کے نگاہوں کے سامنے اور زیرنگرانی تھیں، اگر آپ ﷺ کو ان سے رشتہ مناکحت قائم کرنے کی خواہش ہوتی تو حضرت زیدؓ سے ان کا نکاح نہ کرتے، لیکن آپ کے سامنے علاوہ اللہ کے فیصلہ کی تنفیذ کے کوئی چارہ نہیں تھا۔'' (۳۱)

معجزات رسول ﷺ کے سلسلہ میں بھی ڈاکٹر عمری نے جدید دور کے بیشتر سیرت نگاروں کی طرح مدافعانہ رویہ نہیں اپنایا ہے، بلکہ اپنے طے کردہ منہج کے مطابق صراحت ووضاحت کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ بعض (سیرت نگاروں) کا قرآن کے علاوہ حسی معجزات سے انکار ناقابل فہم ہے۔ جو معجزات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور تواتر سے وہ خلاف ناموس طبیعی وقوع معجزات پر دلالت کرتے ہیں، ان کے وقوع پر شک کرنے اور ان کی بے جا تاویلات کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ انھوں نے پانچ سال کی عمر میں معجزۂ شق صدر، پھر دوبارہ اسراء ومعراج سے قبل جب کہ آپ ﷺ ۵۲ ویں برس کی عمر میں تھے شق صدر کی تکرار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ دونوں واقعے صحیحین میں مذکور ہیں۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری سے متعلقہ روایتوں کو نقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:

''کوئی شک نہیں کہ شق صدر کی خبر کو مادّہ پرستوں کی عقلیں قبول نہیں کرتیں، لیکن غیب پر ایمان لانے والے مؤمنین چونکہ وحی اور نبوت کو تسلیم کرتے ہیں اس لئے ان خلاف قانونِ مادّی خبر کو بھی قبول کرتے ہیں۔ حسی فلسفے اس کو اس لئے قبول نہیں کرتے کیونکہ وہ ایسا مظہر ہے جس کو تجربہ گاہوں کے تجربات کے تحت نہیں لایا جاسکتا، لیکن ایمان بالغیب تو شرط اسلام ہے۔'' (۳۲)

الغرض ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کی سیرت نبوی ﷺ کے موضوع پر یہ تالیف جدید دور میں اس موضوع پر منظر عام پر آنے والی عربی تالیفات میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ جس کے ذریعہ منہج محدثین کے مطابق سیرت نگاری کی افادیت ومعنویت کو واضح کیا گیا ہے۔ یوں ڈاکٹر عمری نے اس تالیف میں روایات صحیحہ کی بنیاد پر سیرت رسول ﷺ کو ترتیب دینے کا اہتمام کیا ہے۔ مؤلف نے واقعات سیرت پر تعلیق کا اہتمام اگرچہ کم سے کم کیا ہے لیکن اس بات کا اہتمام بہرحال کیا ہے کہ بیان سیرت میں نظم وتسلسل برقرار رہے۔ اس لحاظ سے اس کو جدید دور کی عربی مؤلفات سیرت ﷺ میں صف اول کی تالیفات کے زمرہ میں رکھا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

مصادر ومراجع:

(۱) ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کی حیات وخدمات سے متعلق جملہ تفصیلات ہم نے انٹرنیٹ پر متعلقہ سائٹس اور ان کی تالیف ''السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ'' جزء اول کے آخر میں دی گئی ان کی فہرست تالیفات سے اخذ کی ہیں۔ (۲) اکرم ضیاء عمری: السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، ص:۱۳-۱۴ (۳) ایضاً ص۱۵ (۴) ایضاً ص۱۶ (۵) ایضاً ص۳۷ (۶) ایضاً ص۳۸ (۷) ایضاً ص۴۷ (۸) ایضاً ص۴۷ بحوالہ مصطفیٰ السباعی: السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی ص۲۹۳-۲۹۴ (۹) ایضاً ص۴۹ بحوالہ صبحی صالح: علوم الحدیث ص۱۵-۱۶ (۱۰) ایضاً ص۴۹ بحوالہ مقدمہ تفسیر ابن کثیر (۱۱) ایضاً ص۵۱-۵۲ (۱۲) ایضاً ص۵۲-۵۳ (۱۳) ایضاً ص۵۳ بحوالہ طبقات ابن سعد ۲۹۲/۵، مسند احمد ۷۹/۲ وغیرہ (۱۴) ایضاً ص۵۳-۵۴ (۱۵) ایضاً ص۵۵ بحوالہ: الذھبی: سیر اعلام النبلاء ۱۱۵/۶ (۱۶) ص۱۱۷/۶ (۱۷) ایضاً ص۵۵، بحوالہ: الخطیب الجامع لأخلاق الراوی وآداب الجامع ۲۲۵ (۱۸) ایضاً ص ۵۶-۵۸ (۱۹) ایضاً ص۶۱-۶۳ (۲۰) ایضاً ص۵۸-۶۴ (۲۱) ایضاً بحوالہ: فتح المغیث ۲۸۴/۱، ص۶۹-۷۰ (۲۲) ایضاً ص۷۲ (۲۳) ایضاً ص۸۹ (۲۴) ایضاً ص۹۸ (۲۵) ایضاً ص۲۱۹، صحیح البخاری: فتح الباری ۲۶۰/۷ (۲۶) ایضاً ص۲۱۹، بحوالہ ابن حجر: فتح الباری ۲۶۱/۷-۲۶۲، ابن القیم: زاد المعاد ۵۵۱/۳، الزرقانی: شرح المواھب اللدنیۃ: ۳۵۹/۱-۳۶۰ (۲۷) ایضاً ص ۲۵۷-۲۷۱ (۲۸) ایضاً ص۲۷۲ بحوالہ تالیف مذکور ص۲۰ حاشیہ نمبر ۹ (۲۹) ایضاً ص۶۴۴ (۳۰) ایضاً ۶۵۲ (۳۱) ایضاً ص ۶۵۴-۶۵۵ (۳۲) ایضاً ص۶۱۴-۶۱۵ (بشکریہ: ''فکر ونظر'' علی گڑھ)

آخری قسط

تفہیم القرآن ـــ ایک مطالعہ

مولانا محمد اسماعیل فلاحی ☆

تفہیم اور ذکر و فکر و عبادات

اسلام ایک مکمل دین اور نظام حیات ہے۔ اس کا تعلق مسجد سے بھی ہے اور ایوان حکومت سے بھی، یہ ذکر و فکر، حمد و تسبیح، تکبیر و تہلیل، سجدہ و قیام بھی ہے اور معاملات و تعلقات، معیشت و سیاست اور صلح و جنگ بھی ہے۔

قرآن اس پوری زندگی کے لئے ہدایت اور نور ہے۔ فرد اور معاشرہ کا تزکیہ ہو یا ریاست کی تشکیل اس کتاب کے دائرہ میں سب آتے ہیں اور سب کے لئے وہ رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اس کتاب کی تفہیم و تشریح میں وہ سب کچھ آئے گا جس کا انسان کی زندگی اور کائنات سے تعلق ہو۔ اس میں ایمان بھی آئے گا، عبادت بھی آئے گی، معاملات بھی زیر بحث ہوں گے اور سیاست بھی نظرانداز نہیں ہوگی۔

وقت اور حالات کے پس منظر میں معاملات کے پہلو پر زیادہ زور دیا گیا ہے، اسی کے ساتھ ہی عباداتی پہلو ابھارنے پر توجہ مبذول رکھی گئی ہے۔

سورہ احزاب آیت ۳۵ میں والذاکرین اللہ کثیراً والذاکرات کی تشریح سید مودودی صاحب یوں فرماتے ہیں۔

’’اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی زبان پر ہر وقت زندگی کے ہر معاملے میں کسی نہ کسی طرح خدا کا نام آتا رہے، یہ کیفیت آدمی پر اس وقت تک طاری نہیں ہوتی جب تک اس کے دل میں خدا کا خیال بس کر نہ رہ گیا ہو۔ انسان کے شعور سے گزر کر اس کے تحت الشعور اور لاشعور تک میں جب یہ خیال گہرا اتر جاتا ہے تب ہی اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جو کام اور جو بات بھی وہ کرے گا، اس میں خدا کا نام ضرور آئے گا۔ کھائے گا تو بسم اللہ کہہ کر کھائے گا، فارغ ہوگا تو الحمدللہ

☆ استاذ تفسیر جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

کہے گا، سوئے گا تو اللہ کو یاد کر کے اور اٹھے گا تو اللہ ہی کا نام لیتے ہوئے، بات چیت میں اس کی زبان سے بسم اللہ، الحمدللہ، ان شاء اللہ، ماشاء اللہ اور اسی طرح کے دوسرے کلمات نکلتے رہیں گے، اپنے ہر معاملے میں اللہ سے مدد مانگے گا، ہر نعمت ملنے پر اس کا شکر ادا کرے گا، ہر آفت آنے پر اس کی رحمت کا طلب گار ہوگا، ہر مشکل میں اس سے رجوع کرے گا، ہر برائی کا موقع آنے پر اس سے ڈرے گا، ہر قصور سرزد ہو جانے پر اس سے معافی چاہے گا، ہر حاجت پیش آنے پر اس سے دعا مانگے گا، غرض اٹھتے بیٹھتے اور دنیا کے سارے کام کاج کرتے ہوئے اس کا وظیفہ خدا ہی کا ذکر ہوگا۔ یہ چیز درحقیقت اسلامی زندگی کی جان ہے۔ دوسری جتنی بھی عبادات ہیں ان کے لئے بہرحال کوئی وقت ہوتا ہے، جب وہ ادا کی جاتی ہیں اور انھیں ادا کر چکنے کے بعد آدمی فارغ ہو جاتا ہے لیکن یہ وہ عبادت ہے جو ہر وقت جاری رہتی ہے اور یہی انسان کی زندگی کا مستقل رشتہ اللہ اور اس کی بندگی کے ساتھ جوڑے رکھتی ہے۔ خود عبادات اور تمام دینی کاموں میں بھی جان اسی چیز سے پڑتی ہے کہ آدمی کا دل محض ان خاص اعمال کے وقت ہی نہیں بلکہ ہمہ وقت خدا کی طرف راغب اور اس کی زبان اس کے ذکر سے تر رہے۔ یہ حالت انسان کی ہو تو اس کی زندگی میں عبادات اور دینی کام ٹھیک اسی طرح پروان چڑھتے اور نشو ونما پاتے ہیں جس طرح ایک پودا ٹھیک اپنے مزاج کے مطابق آب و ہوا میں لگا ہوا ہو۔ اس کے برعکس جو زندگی اس دائمی ذکر خدا سے خالی ہو اس میں محض مخصوص اوقات میں یا مخصوص مواقع پر ادا کی جانے والی عبادات اور دینی خدمات کی مثال اُس پودے کی سی ہے جو اپنے مزاج سے مختلف آب و ہوا میں لگایا گیا ہو اور محض باغبان کی خاص خبر گیری کی وجہ سے پل رہا ہو۔ اسی بات کو نبی ﷺ ایک حدیث میں یوں واضح فرماتے ہیں۔

معاذ بن انس جہنی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! جہاد کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر اجر پانے والا کون ہے؟ فرمایا: جو ان میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ یاد کرنے والا ہے۔ اس نے عرض کیا: روزہ رکھنے والوں میں سب سے زیادہ اجر کون پائے گا؟ فرمایا: جو ان میں سب سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے والا ہو۔ پھر اس شخص نے اس طرح نماز، زکوٰۃ، حج اور صدقہ ادا کرنے والوں کے متعلق پوچھا اور حضور ﷺ نے ہر ایک کا یہی جواب دیا کہ جو اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرنے والا ہو‘‘ (مسند احمد، تفہیم ج ۴ حاشیہ ۶۳ ص ۹۷-۹۶)

☆☆☆

عبد، معبود اور رنگِ عبودیت

سعید اختر اعظمی ☆

حج کا سفر نامہ شروع کرتے ہی میں مصنف کی انگلی پکڑ لیتا ہوں اور پھر سایہ بہ سایہ اس کا ساتھ دیتا ہوں لیکن جب وہ دکانوں، مکانوں اور کھانوں کا ذکر کرتا ہے تو میں اتنی دیر کے لیے حرم کی سیڑھیوں پر بیٹھ جاتا ہوں، انتظار کرتا ہوں۔ جب وہ مشاہدات و واردات کا ذکر کرتا ہے تو میں آنکھیں بند کر کے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ اندازہ لگاتا ہوں کہ اس بیان کا مجھ پر کتنا اثر ہوا ہے۔ بالآخر کتاب ختم ہوتی ہے، مصنف کا حج مکمل ہوتا ہے اور میرا حج بدل۔ میں نے اس طرح بے شمار عوضی حج کیے ہیں۔'' آوازِ دوست کے مصنف مختار مسعود کے یہ جذبات سفر سعادت پر سپر دِ خامہ کی گئی تحریروں کے مطالعہ کے دوران بارہا میرے دل کی آواز ثابت ہوئے ہیں۔ مشاہدات کی انگلی تھامے قلمکار کے ہمراہ جذبۂ شوق نے جانے کتنے ہی لمحے عالم تخیل میں حرمین کی زیارت کے ساتھ حرم کی دہلیز پر لباسِ احرام میں لپٹ کر وجود کو خمیدہ دیکھنے کی تمنا کی ہے۔ یہ بھی سوچا ہے کہ کاش وہ لمحہ زیست کا مقدر بن جائے جب بیت اللہ سے نکلنے والی نادیدہ شعاعیں دیر تک اپنے سحر کی گرفت میں رکھیں اور وجود روشنی کے حصار میں محصور رہے۔

یکم نومبر کو طیارہ کی برق رفتاری سے محظوظ ہونے کے بجائے ''سیارہ'' سے زمینی مناظر کا جائزہ لیتے ہوئے سفر مبروک شروع ہوا تو قلب ونظر کا اشتیاق دیدنی تھا۔ جی چاہتا تھا کہ وقت کی گردش سمٹ جائے اور وہ پل جس کا برسوں سے انتظار ہے یک لخت سامنے آن موجود ہو مگر ایسا نہ ہو سکا۔ رفقاءِ سفر نے منٹوں میں ناآشنائی کی دیوار زمیں بوس کر دی اور افراد، تمتع، قران و بدل کی گتھیوں کو سلجھانے میں لگ گئے۔ سبھی بذاتِ خود قربانی کا ارادہ بھلے ہی کر رہے تھے لیکن گزرتے وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ زبانی جمع خرچ، تن آسانی اور جنبشِ قدم سے گریز کے سوا کچھ نہ تھا کیونکہ کوپن نے یہ مرحلہ بھی آسان کر دیا ہے۔ ایسے میں بھلا کون دردِ سری مول لے۔ قطرہ قطرہ پگھلتی شمع کی طرح گھڑی کی سوئیاں اپنا سفر طے کرتی رہیں۔ دوپہر سے سہ پہر اور پھر رات کو تاریکیوں کا لبادہ اوڑھتے نیز اتارنے تک دیکھتے اور سڑک کے کنارے لگے برقی قمقموں سے نگاہیں چار کرتے، قریب الفجر قربِ مدینہ پہنچے تو یک پل میں ہی ساری تھکن کافور ہوگئی۔

☆ ریاض، سعودی عرب

بلند و بالا اور فلک بوس ہوٹلوں سے پرے مسجد نبوی کے صحن میں قدم رکھا تو جذبۂ تشکر و امتنان نے بارگاہِ رب العزت میں سرِ تسلیم خم کرنے میں تعجیل پر اکسایا۔ موذن کی صدائے اللہ ہو سے قبل ہی وہاں اتنے افراد جمع ہو گئے کہ انگلیوں پہ شمار ممکن نہ رہا۔ اعلان کبریائی کے بعد قیام وقعود میں امام کی تقلید کرتے ہوئے جو سرور ملا اسے لفظوں کے قالب میں نہیں ڈھالا جا سکتا۔ ریاض الجنہ میں دو رکعت پڑھنے اور سیر حاصل دعا مانگنے کا ارمان پورا ہوا۔ حضور اکرمؐ پہ درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے قدم جم ہی جاتے اگر دیگر کا وفورِ شوق آگے بڑھنے پر مجبور نہ کر دیتا۔ اوائل سردیوں کے سبب فرش سرد تھا پھر بھی تلووں کو عجب حرارت مل رہی تھی۔ آفتابِ ضیا بار نے جونہی اجالوں کے ہالے میں سر نکالا صحن میں لگی چھتریاں پنکھڑیوں کی مانند کھلنے اور کھُلنے لگیں۔ یوں ذرا سی دیر میں صحن آرام دہ سائبان سے مرصع ہو گیا۔ مسجد سے متصل جنت البقیع ہے جہاں قبروں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ اس میں اگرچہ صحابہ وصحابیات، ازواجِ مطہرات اور شہداء کرام کی واضح نشاندہی کوئی نہیں کرتا لیکن بعض روایات اور اسی موضوع پر عربی زبان میں مرتب کی ہوئی کتاب کئی اسرار کی ازخود نقاب کشائی کر دیتی ہے۔ ایک بار پھر صحن مسجد نبوی میں حاضری دی۔ شعلۂ شوق کی پذیرائی اور عہد نبوی کے یثرب کی بستی کے مساوی خطہ کو احاطہ میں شامل کرنے پر بے ساختہ وہ لمحہ تصور میں کوند گیا جب زریں تاریخ کے زریں ابواب میں شامل ہونے والے صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اہل اللہ اور اہل حق نے یہاں حاضری دی ہوگی اور اپنے جذبوں کا نذرانہ پیش کیا ہوگا۔

پہلے کعبہ پھر مدینہ' کی ترتیب کو مقامی حج وعمرہ ٹورز نے اگرچہ اپنی آسانی کے لیے بدل دیا ہے البتہ بعض اب بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔ واپسی کا سفر اب وہاں کے لیے تھا جہاں سے درحقیقت آغاز کرنا تھا۔ ابیار علی سے احرام بدن کی زینت بن گیا۔ یہ دو چادریں اس کفن کا احساس دلاتی ہیں جس سے لپٹ کر عبد اپنے معبود سے ملاقات کے لیے دنیا سے سفر کرے گا۔ اگر زندگی میں رنگِ عبودیت نہ رہا تو یہ ملاقات کارگر نہ ہو سکے گی۔ طوافِ افاضہ کے لیے خانۂ کعبہ کی جانب جاتے ہوئے راستے میں فلک نما بلڈنگوں کو عبور کرنا پڑا۔ مدینۃ النبیؐ میں جو سکون ہے وہ کعبہ کے قریب آتے ہی ہیبت، خوف اور تلاطم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ طوافِ افاضہ اور طوافِ وداع کے دوران اس گھر کا قرب ملا جہاں تمام انبیاء نے لبیک اللھم لبیک کہا ہے۔ وہ پتھر جوں کا توں اب بھی موجود ہے جس پر ایستادہ ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی۔ یہیں دیوار کعبہ میں اس پتھر کے اجزاء چاندی میں لپٹے ہوئے ہیں جو حجر اسود کے نام سے موسوم ہے۔ حرم کے قریب کلاک ٹاور کے اوپر ہلال کی صورت میں سنہری ماڈل آسمان سے محوِ گفتگو ہے۔ سطح زمین سے نصف کلومیٹر سے زائد بلندی پر واقع اس ٹاور کا وزن ۳۵ ٹن ہے جس کی تعمیر ۳ ماہ میں مکمل ہوئی۔

خاص ترتیب سے جاری رہنے والے اس سفر میں قیامِ منیٰ کا عرصہ طویل ہوتا ہے جہاں سے بذریعہ میٹرو عرفات، مزدلفہ اور جمرات جانے کی سہولت سالِ رواں سے باقاعدہ صرف عازمین حج کے لیے شروع ہوگئی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اس سال ۲۵ لاکھ جبکہ غیر سرکاری ریکارڈ کے مطابق ۳۰ لاکھ زائرین نے مقامات حج پر حاضری دی جن میں ۲ لاکھ ۳۹ ہزار افراد مقامی تھے۔ بہ یک وقت جسمانی و مالی عبادت کا درجہ پانے والا یہ فریضہ انقلاب حیات کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ ذکر و تسبیح، سلام و درود، تلبیہ و تشریق، کنکریوں کی یکجائی اور انھیں جمرات پر مارتے ہوئے جو احساس دل میں موجزن ہوتا ہے وہی دراصل آمدِ حرمین شریفین کا مقصد ہے۔ اس سے بیگانہ رہنے والے حضرات کی لاحاصل مساعی پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔ دن بہ دن سہولت میں اضافہ کے ساتھ زائرین کی تعداد بھی کہیں سے کہیں جا پہنچی ہے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ جیتے جاگتے گڈے گڑیاں یہاں جوانوں کی سی شان سے اپنے والد کے شانوں پہ براجمان تمام ارکان کی بحسن و خوبی ادائیگی کرتے ہیں۔ جمرات میں ایک کیپٹن کے شانے پہ سوار ننھی جن تو مصر ہوگئی کہ وہ بھی شیطان کو خوب زور سے کنکری مارے گی۔ والد نے دل توڑنا مناسب نہ سمجھا اور زائد کنکری اسے دے دی۔ یہ کنکری بھلے ہی علامتی دیوار تک نہ پہنچی ہو مگر خالق ارض و سما کو اس کا معصوم جذبہ ضرور پسند آیا ہوگا۔

عیدالاضحیٰ کے دن بعد از قربانی عازمین کو سروں کی زرخیز فصل کا نذرانہ دینا پڑتا ہے۔ تقصیر کی گنجائش کے ساتھ ہی صفاچٹ کا عمل افضل قرار دیا گیا ہے۔ اس عمل نے گنجوں سے ہمدردی پیدا کرنے کے ساتھ یہ احساس بھی دلایا کہ قدرت کی عطا کردہ یہ نعمت کس قدر بیش بہا ہے، کئی دنوں تک پیشانی کی وسعت پریشان کرتی رہی کہ مسح کے لیے ہاتھ کہاں تک لے جائیں۔ طوافِ وداع کے لیے جب 'سیارہ' کی روانگی ہوئی تو مرکزی راستوں پر ہجوم کے سبب ڈرائیور کو ایک طویل چکر شہر مکہ کا لگانا پڑا جس سے سیارہ اور صاحب سیارہ دونوں نے شہر کا طواف کرڈالا۔

مراجعت کے آغاز میں نامانوس سی مہک نے پیچھے مڑکر دیکھنے پر مجبور کردیا۔ چند لمحوں قبل خالق کون و مکاں کو راضی کرنے اور دعا کے توسط سے گناہوں کی معافی طلب کرنے والے تین نفوس شان سے بندگانِ الٰہی کو مبتلائے اذیت کرنے کا خوشگوار فریضہ انجام دے رہے تھے۔ یہ کیسی عبادت ہے جس میں حقوق اللہ کا خیال تو ہے مگر حقوق العباد سے صریحاً روگردانی ہے۔ زہریلے مرغولے رفتہ رفتہ مدھم پڑ گئے۔ انسان کے فکری تضاد پر غور کرتے ہوئے مجھے بھی دیگر افراد کی طرح نیند کی آغوش میں پناہ لینی پڑی۔ جانے کتنے ایام خوشی سے گزر گئے مگر اب بھی اس یادگار سفر کی یادیں دل میں چٹکیاں لیتی ہیں۔ کعبہ، حطیم، میزابِ رحمت، چاہ زمزم، مشعر حرام اور ریاض الجنہ سے وابستہ یہ یادیں جو بہلاتی بھی ہیں اور تڑپاتی بھی ہیں مگر گزرتی نہیں کیونکہ یہ کسی نقشِ جاوداں کی طرح صفحۂ دل پہ مرتسم ہوگئی ہیں۔

مجوسیت اور زرتشتیت (۲)

ابوارقم فلاحی☆

مجوسیت کی اصطلاحی تعریف

مجوسیت بت پرستی کا قائل، ثنویت کا حامل مذہب ہے جو خیر و شر کے دو الگ الگ خداؤں کو مانتا ہے جن کے درمیان قیامت تک کشمکش جاری رہے گی اور خیر کے خدا کے شر کے خدا پر غلبہ کے ساتھ ہی اس دنیا کا خاتمہ ہوجائے گا۔

زرتشتیت میں خدا کا تصور

قدیم زرتشتیت میں توحید کا بالکل واضح تصور پایا جاتا تھا، خدا کا نام آہوراماثروا (AHURAMAZDA) یا ماذدا آہورا ہے۔ اس کی مختصر صورت ہرمزد (ORMUZD) ہے، آہورا کے معنی ''آقا'' اور ''ماژدا'' کے معنی ''دانش یا روشنی'' کے ہیں۔ گویا وہ خداوند نور ہے۔ زرتشت کا خدا روحانی تھا۔ ''یاسنا'' میں خدا کی جو صفات مرقوم ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

۱-وہ تمام چیزوں کا خالق ہے۔(۵۴/۶) ۲- وہ تمام عالم کا پیدا کرنے والا ہے۔(۵/۱۱)
۳-اس نے پانی درخت اور کل دوسری چیزوں کو پیدا کیا۔(۵۱/۷) ۴-وہ انسانی ارواح کا خالق ہے۔(۳۱/۱۱) ۵-اس کے قبل کچھ بھی نہ تھا۔(۲۸/۳) ۶-وہ بزرگ ترین ہے۔(۴۴/۷)
۷-وہ بہترین ہے۔(۲۶/۸) ۸-وہ غیر متغیر ہے۔(۳۱/۷) ۹-وہ رحیم ہے۔(۲۸/۵)
۱۰-وہ پاکیزہ ترین ہستی ہے۔(۴۴/۷) ۱۱-وہ پاکیزگی کا منبع ہے۔(۴۳/۳)
۱۲-وہ خود مختار ہے۔(۴۳/۱) ۱۳-وہ تمام ہستیوں کا مالک ہے۔(۲۸/۷) ۱۴-وہ عاقل ہے۔(۲۹/۶) ۱۵-وہ سب کچھ جانتا ہے۔(۴۶/۱۹) ۱۶-وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔(۳۳/۱۳)
۱۷-وہ تمام رازوں کا جاننے والا ہے۔(۳۱/۱۳) ۱۸-وہ کل باتوں سے واقف ہے۔(۳۱/۵)

''یاسنا'' کی ان عبارتوں سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ قدیم زرتشتیت میں توحید کا بالکل واضح اور سامی تصور پیدا جاتا تھا جو ایران کی قدیم مانی اور مجوسی افکار و نظریات سے متاثر ہونے کی بناپر ثنویت کا قائل ہوگیا اور آخر میں خدا کی صفات کو مشخص کرکے سات غیر فانی ہستیاں قرار دی گئیں۔

☆ استاذ تفسیر و ادیان جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

جامعہ کے لیل ونہار

عبدالرقیب فلاحی

سابق امیر جماعت ڈاکٹر عبدالحق انصاری کی رحلت پر تعزیتی نشست

آج بتاریخ ۴؍اکتوبر بروز پنج شنبہ ابواللیث ہال میں ڈاکٹر عبدالحق انصاری کی وفات پر مولانا انیس احمد مدنی کی زیرصدارت اور مولانا اسماعیل فلاحی کی زیر نظامت ایک تعزیتی نشست منعقد ہوئی، مولانا محمد اسماعیل فلاحی نے اپنی تمہیدی گفتگو میں فرمایا کہ ’’کل نفس ذائقۃ الموت‘‘ کے ضابطہ کے تحت ہر ایک کو دنیا سے جانا ہے۔ جانے والوں میں بچے، جوان، بوڑھے سب شامل ہیں۔ بعض جانے والوں سے ایک مختصر سا حلقہ متاثر ہوتا ہے اور بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے رحلت کر جانے سے ایک بڑا حلقہ متاثر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحق انصاری ایسے ہی افراد میں شامل تھے جن کے رحلت کر جانے سے ایک بڑا حلقہ متاثر ہوا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مرحوم جماعت اسلامی ہند کے صف اول کے قائد تھے۔ ان کے جانے کی وجہ سے ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔

مولانا مطیع اللہ فلاحی مدنی نے فرمایا کہ ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم اگرچہ عصری علوم سے بہرہ ور تھے لیکن تحریک اسلامی سے وابستگی کے بعد انہوں نے جس محنت اور جدوجہد کے ساتھ اسلامیات میں مہارت اور بصیرت حاصل کی وہ لائق تقلید ہے۔ تحریک سے جڑنے کے بعد انہوں نے پوری زندگی اس کے لیے وقف کر دی، اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں جو یقیناً ان کے لیے صدقہ جاریہ ثابت ہوں گی۔ عمر کے آخری لمحے تک وہ امت کے لیے فکر مند رہے۔ انہوں نے عصری تعلیم یافتہ افراد کو دین سے قریب کرنے اور اسلامی علوم میں مہارت پیدا کرنے کے لیے اسلامک اکیڈمی بھی قائم کی۔

ڈاکٹر ثناء اللہ صاحب نے کہا کہ ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم بڑے ہی دانشور اور مدبر تھے، انہوں نے علی گڑھ میں تحریک اسلامی کو متعارف کرایا اور بہت سارے افراد کو جماعت کا ہمنوا بنایا جب کہ وہاں کا ماحول انتہائی مخالفانہ تھا۔ دین سے جڑے افراد کا مذاق اڑایا جاتا تھا لیکن انصاری

صاحب مرحوم کی تدبیر اور حکمت عملی کی وجہ سے وہاں کے ماحول میں زبردست تبدیلی آئی۔ انہوں نے فرمایا کہ مرحوم وسعت فکر ونظر کے حامل تھے، اختلاف رائے کو برداشت کرنے کا خاص ملکہ ان کے اندر پایا جاتا تھا۔ بڑی خندہ پیشانی سے وہ اختلاف رائے کو برداشت کر لیتے تھے، اسی طرح مرحوم کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ خوش آمدیوں کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتے تھے۔

سابق صدر مدرس مولانا محمد عمران فلاحی صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے اندر بڑی گہری بصیرت تھی ان کا علم بڑا ہی پختہ تھا۔ عربی اور انگریزی دونوں زبانوں پر ان کو عبور حاصل تھا، پیش کردہ سوالات اور اشکالات کا بڑا ہی مسکت اور مدلل جواب عنایت فرماتے تھے۔ انصاری صاحب مرحوم نے اپنے زمانہ امارت میں تحریک اسلامی کو گاؤں گاؤں بلکہ گھر گھر پہنچانے کی کامیاب کوشش کی۔ برادرانِ وطن کو اسلام سے قریب کرنے کا جذبہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس میدان میں بھی انہوں نے زبردست خدمات انجام دیں۔

مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے اپنے تاثرات میں فرمایا کہ تحریک اسلامی سے ہر حلقہ اور طبقہ کے لوگ متاثر ہوئے تھے۔ طلبہ کا حلقہ بھی بطور خاص متاثر ہوا تھا۔ اس حلقہ سے متاثر ہونے والے لوگوں میں ڈاکٹر عبدالحق انصاری مرحوم صف اول کے لوگوں میں تھے۔ انہوں نے عصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد رامپور کی درسگاہ اسلامی سے دینیات کا علم حاصل کیا اور اس کے بعد مدرسۃ الاصلاح سے بھی استفادہ کیا۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہر کام بڑی یکسوئی اور دل جمعی سے کیا کرتے تھے۔ انہوں نے امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی سے ایم.ٹی.ایس.کی ڈگری حاصل کی تھی لیکن وہاں کی تہذیب سے وہ قطعاً متاثر نہیں ہوئے بلکہ امریکہ و یوروپ میں تصوف کے سلسلہ میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے انہوں نے مستقل کتاب تصنیف فرمائی۔

آخر میں مولانا محمد سلامت اللہ اصلاحی صاحب کی دعا پر اس نشست کا اختتام ہوا۔ اس نشست میں جامعہ کے ذمہ داران اور اساتذہ کے علاوہ کثیر تعداد میں طلبہ بھی شریک تھے۔

جشن طلائی کا انعقاد

تاسیس کے پچاس سال مکمل ہونے پر ۱۶؍تا ۱۸؍نومبر ۲۰۱۲ء جامعۃ الفلاح میں جشن طلائی کا انعقاد کیا گیا، اس سہ روزہ جشن میں ملک و بیرون ملک سے علماء کرام اور فارغین جامعہ بڑی تعداد میں شریک رہے۔ مختلف موضوعات پر طویل طویل اجلاس منعقد ہوئے۔ اس جشن طلائی کا آغاز خطبہ جمعہ سے ہوا، معروف عالم دین مولانا محمد یوسف اصلاحی نے خطبہ جمعہ دیا۔ ہزاروں کی

تعداد میں لوگوں نے جمعہ کی نماز ادا کی۔ آپ نے امت اسلامیہ کے کردار پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے عمل کے اوراق سادہ ہوتے ہیں اور ہر فرد اپنے اعمال و کردار اور افکار و نظریات سے ان کو پر کرتا رہتا ہے، ایک دن آئے گا کہ دفتر عمل لپیٹ دیا جائے گا اور نامہ اعمال ہر فرد کے حوالے کر دیا جائے گا۔ آپ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ان ہی کی ادائیگی پر آخرت کی کامیابی کا انحصار ہے۔

نماز جمعہ کے بعد ۳ر بجے دوپہر میں اسلامی نمائش کا افتتاح شیخ عبداللہ المنہال کے ہاتھوں عمل میں آیا، موصوف جماعت اسلامی ہند کی قائم کردہ اسلامی یونیورسٹی الجامعۃ الاسلامیہ شانتاپورم کیرلا کے ڈائریکٹر ہیں۔ یہ نمائش مرکزی لائبریری کی عمارت میں لگائی گئی تھی، اس میں طلبہ وطالبات جامعہ کی مختلف حیرت انگیز تخلیقات بھی رکھی گئی تھیں۔

علماء کنونشن (۱۶ر نومبر)

جشن طلائی کا باقاعدہ افتتاح علماء کنونشن سے ہوا، یہ کنونشن بعنوان ''تعلیم وتربیت اور عالمی چیلنجز'' بعد نماز مغرب جامعہ کے میدان میں شروع ہوا، جس کی صدارت معروف اسلامی اسکالر پروفیسر اشتیاق احمد ظلی ناظم دارالمصنّفین اعظم گڑھ نے کی، اس سیشن میں مولانا مقبول احمد فلاحی آرگنائزر جشن طلائی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا اور ذمہ داران جامعہ نے عرب مہمانوں کو جشن طلائی کا مومنٹو پیش کیا۔ اس کے بعد مختلف کتابوں کا اجراء عمل میں آیا۔ امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے ''تاریخ جامعہ'' کا اجراء کیا، پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے حیات نو کے خصوصی شمارے ''ہمارے اساتذہ'' کا اجراء کیا اور مولانا محمد یوسف اصلاحی نے ''فارغات جامعہ کی خدمات'' نامی کتاب کا اجراء کیا۔ کتابوں کے اجراء کے بعد مہتمم تعلیم وتربیت مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی نے افتتاحی خطاب پیش کیا۔

افتتاحی خطاب کے بعد ''تعلیم وتربیت اور عالمی چیلنجز'' کے موضوع پر مولانا عبدالبر اثری فلاحی سابق مدیر حیات نو، مولانا رضوان احمد فلاحی لندن، جناب خورشید ملک، مولانا عامر رشادی ناظم جامعۃ الرشاد، جناب طارق اعظم، جناب مولانا عبدالواحد مدنی، مولانا ابرار اصلاحی مکہ مکرمہ، ڈاکٹر قاسم رسول الیاس، مدیر افکار ملی ورکن مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند، مولانا یوسف اصلاحی کے علاوہ عرب مہمانوں میں سے وزارۃ الاوقاف کویت کے نمائندے ڈاکٹر ابراہیم صالح، وقفیۃ البدر اور عالم اسلام کے معروف عربی رسالہ المجتمع کے ایڈیٹر ڈاکٹر شعبان عبدالرحمٰن نے خطاب

کیا۔ مقررین کا مشترکہ خیال تھا کہ آج دنیا میں جو نصاب تعلیم رائج ہے اس میں تبدیلی کی ضرورت ہے، عصری نصاب مغرب کا تشکیل کردہ ہے اور دینی نصاب عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے، دین و دنیا کی تعلیم کا ایک جامع نصاب ترتیب دینے کی ضرورت ہے جو نئی نسل کی تعلیمی اور تربیتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ سماج کے مسائل کا مناسب حل پیش کرسکے۔ ڈاکٹر شعبان عبدالرحمٰن نے عرب دنیا کے حالات پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ عرب انقلابات اپنے دامن میں بہت ساری خوش خبریاں سمیٹے ہوئے ہے، مصر اور تونس میں بڑی تعداد میں اہل اسلام کو منتخب کرنا خوش آئند مستقبل کا اشارہ دیتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ شام کے ناگفتہ بہ حالات اور وہاں ہو رہی قتل و غارت گری پر پوری دنیا کی مجرمانہ خاموشی حیرت انگیز ہے۔ صدارتی گفتگو میں پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے کہا کہ کوئی بھی قوم ان تیز رفتار تبدیلیوں کے زمانے میں تعلیم کے بغیر ترقی نہیں کرسکتی، ان تبدیلیوں کو دیکھتے ہوئے اگر ہم نے علم کے اوپر گرفت مضبوط نہیں کی تو جہاں ہم کھڑے ہیں وہاں سے بہت نیچے چلے جائیں گے۔ موصوف نے تعلیم وتربیت کے تعلق سے موجودہ دنیا کو درپیش چیلنجز پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ سو سالوں سے مدارس کے نصاب تعلیم میں تبدیلی پر گفتگو ہو رہی ہے لیکن کوئی خاطر خواہ تبدیلی اب تک سامنے نہیں آسکی۔ ضرورت ہے کہ اس سلسلے میں سنجیدہ اور منصوبہ بند کوشش کی جائے۔

اکیڈمک سیشن (۱۷ر نومبر)

۱۷ر نومبر کے پروگرام کا آغاز مولانا محمد یوسف اصلاحی کے درس قرآن سے ہوا، اس کے بعد دوسرے دن کا پہلا سیشن ''مدارس کا نظام تعلیم اور عصر حاضر کے تقاضے'' کے موضوع پر ہوا، اس سیشن کی صدارت شیخ الجامعہ اور امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے کی۔ اس سیشن میں ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی نے افتتاحی خطاب فرمایا، آپ نے کہا کہ جامعہ کے موسسین کی فہرست کافی طویل ہے جن کے خلوص نے اس ادارے کو ایک مکتب سے یہاں تک پہنچایا ہے، آپ نے کہا کہ ان مؤسسین میں سے بعض آج بھی موجود ہیں، مولانا عبدالحسیب اصلاحی نے دور اول سے جس طرح اس کی آبیاری میں حصہ لیا، اس کا صلہ اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام ہی محسنین و مخلصین کو جزائے خیر دے۔ ناظم جامعہ نے کہا کہ اس تقریب کا ایک اہم مقصد جائزہ، احتساب اور منصوبہ بندی ہے جو وقت کا تقاضا ہے، خوش آئند پہلو یہ ہے کہ اس وقت بے شمار فارغین جامعہ یہاں موجود ہیں، ابنائے جامعہ کے اندر جو محبت، اپنائیت اور جامعہ کی تعمیر و ترقی

کے تعلق سے جو دلچسپی پائی جاتی ہے اس کی مثال بہت کم ملتی ہے، اس موقع پر ہم ابنائے جامعہ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اس سیشن میں مولانا عارف حسین فلاحی جنرل سکریٹری اسلامی سنگھ نیپال، مولانا حبیب الرحمٰن فلاحی، مولانا موسیٰ کلیم فلاحی دبئی، شیخ عبداللہ المنہال الجامعہ الاسلامیہ شانتاپرم، مولانا علیم الحق عمری سابق شیخ الحدیث جامعۃ الفلاح، ڈاکٹر اشہد جمال ندوی علی گڑھ، پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ڈاکٹر عبداللہ غازی شکاگو، مولانا عمر اسلم اصلاحی شیخ التفسیر مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، مولانا اشفاق احمد سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے خطاب فرمایا۔ مقررین کا خیال تھا کہ ہمیں ایسے نظام ونصاب تعلیم کی ضرورت ہے جس کے اندر جامعیت اور دینی و عصری تقاضوں کا حسین امتزاج پایا جاتا ہو، اس میں مدارس کے فارغین کے مستقبل کے سلسلے میں ظاہر کیے جانے والے خدشات پر بھی گفتگو کی گئی، نیز ان سوالات پر خصوصیت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی کہ کیا مدارس دینیہ داعی الی اللہ تیار کررہے ہیں، کیا ملک کے سیاسی ومعاشی پس منظر میں وہ کوئی قابل ذکر کردار ادا کررہے ہیں، کیا طلبہ مدارس معاصر افکار ونظریات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں، کیا امت کے عزائم کی تکمیل فارغین مدارس کے ذریعہ ممکن ہے۔ صدارتی گفتگو سے قبل صدر مدرس شعبہ اعلیٰ مولانا انیس احمد فلاحی کی کتاب ''اخلاقیات الحرب'' کا اجراء امیر جماعت اسلامی ہند نے فرمایا، اس کے بعد شیخ عبداللہ المنہال الجامعہ الاسلامیہ شانتاپرم نے انجمن طلبہ قدیم کی جانب سے شائع کردہ یادگار ڈائری کا اجراء کیا۔ اس موقع پر پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، مولانا سید جلال الدین عمری، کاکا سعید عمری اور شیخ عبداللہ المنہال کو بالترتیب مولانا عبدالحسیب اصلاحی سابق شیخ التفسیر جامعۃ الفلاح، مولانا ابوالبقاء ندوی سابق ناظم جامعہ، ملک محمد فیصل فلاحی صدر انجمن طلبہ قدیم، ڈاکٹر خلیل احمد سابق ناظم جامعہ نے جشن طلائی کا مومنٹو دیا۔ صدارتی خطاب میں امیر جماعت اسلامی ہند مولانا عمری نے فرمایا کہ مدارس کا اصل مقصد ایسے علماء اور داعیوں کی تیاری ہے جو دین کی فلاسفی، حکمت، مقصد اور منشا کو سمجھتے ہوں اور اس کے مطابق قوم کے درمیان انذار کا فریضہ انجام دیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ علم دین کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آدمی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہوجائے، ہمارے زوال کا بنیادی سبب اللہ تعالیٰ سے ہمارے تعلق کا کمزور ہونا ہے۔

دعوتی اجلاس (۱۷ر نومبر)

دوسرے دن کا دلچسپ پروگرام دعوتی سیشن تھا، جس کے لیے صبح ہی سے لوگ جوق در جوق آنے شروع ہوگئے تھے، اس سیشن کی صدارت معروف داعی جناب ڈاکٹر ذاکر نائک کو کرنی تھی

جبکہ اس سیشن میں جامعہ دارالسلام عمرآباد کے مولانا کاکا سعید مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی، سکریٹری جماعت اسلامی ہند جناب اقبال احمد ملا، سہ روزہ دعوت کے چیف ایڈیٹر سینئر صحافی جناب پرواز رحمانی، سابق رکن مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند پروفیسر احمد سجاد صاحب اور سلام سینٹر بنگلور کے ڈائرکٹر جناب سید حامد محسن نے خطاب فرمایا۔ جناب کاکا سعید نے اپنی گفتگو میں کہا کہ جامعہ کی بنیاد ہی دعوت وتحریک ہے، دعوتی اسپرٹ جب تک عام مسلمانوں میں پیدا نہیں کی جائے گی، اس وقت تک امت اسلامیہ دنیا کے سامنے کھڑی نہیں ہوسکتی۔ اقبال ملا صاحب نے نومسلموں کے مسائل اور ان کے حل کے سلسلے میں ایک بصیرت افروز گفتگو کی، انھوں نے دعوت اسلام اور قبول حق کے سلسلے میں درپیش چیلنجز کے اوپر تفصیلی روشنی ڈالی۔ مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی نے کہا کہ آج دوبارہ دنیا میں امن وامان قائم ہوسکتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ رب کائنات کی جانب رجوع کیا جائے اور قرآن مجید کو دستور حیات کے طور پر تسلیم کیا جائے۔ جناب پرواز رحمانی نے اس بات پر زور دیا کہ دعوت دین امت اسلامیہ ہند کی ایک اہم ضرورت ہے، ہندوستان کے تناظر میں ضروری ہے کہ عوام کو بتایا جائے کہ ہمارے جن بزرگوں سے وہ عقیدت رکھتے ہیں ان کی بنیادی تعلیم بھی اللہ اور اس کے رسول کی جانب دعوت تھی۔ اس کے علاوہ دیگر مقررین نے بھی ہندوستان میں دعوت دین کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیا اور اس سلسلے میں درپیش چیلنجز پر گفتگو کی۔ آخر میں صدارتی گفتگو میں ڈاکٹر ذاکر نائک نے اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کے موضوع پر ایک بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ جس کے بعد سامعین کی جانب سے سوال وجواب کا سلسلہ بھی رہا، اس سیشن میں برادران وطن کی بھی ایک بڑی تعداد شریک رہی۔

جلسہ تقسیم اسناد (۱۸ر نومبر)

تیسرے روز کی کارروائی کا آغاز بعد نماز فجر مولانا نعیم الدین اصلاحی شیخ التفسیر جامعۃ الفلاح کے درس قرآن سے ہوا۔ تیسرے روز کے پہلے سیشن کی صدارت دارالعلوم ندوۃ العلما کے مہتمم ڈاکٹر سعید الرحمٰن الاعظمی نے کی اور خطبہ افتتاحیہ جامعۃ الفلاح کے سابق صدر ومہتمم مولانا عبدالحسیب اصلاحی نے پیش کیا۔ موصوف کے خطبہ افتتاحیہ کے بعد ۱۹۶۷ء سے ۲۰۱۲ء تک کے ممتاز طلبہ وطالبات کو میڈل سے نوازا گیا، نیز فارغین جامعہ کو ردائے فضیلت اور اسناد تقسیم کی گئیں اور اس کے بعد انجمن طلبہ قدیم کی جانب سے منعقد ہونے والے مقابلہ مضمون نویسی کے انعامات تقسیم کیے گئے: [illegible] کے

ذریعے بالترتیب ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی، سلمان فلاحی اور اسماء فیروز فلاحی کو دئے گئے۔ اس سیشن میں مولانا سید جلال الدین عمری اور کاسعید عمری نے طلبہ و فارغین جامعہ سے خصوصی خطاب فرمایا۔ صدارتی گفتگو میں ڈاکٹر سعید الرحمٰن الاعظمی نے کہا کہ اسلام کے متعلق آج جو غلط فہمیاں عام ہیں ان کا سب سے بہترین جواب یہ ہے کہ ہم اپنے عمل کے ذریعے اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں۔

میڈیا سیشن (۱۸رنومبر)

تقسیم اسناد وانعامات کے سیشن سے متصل میڈیا سیشن ہوا، جس میں جناب ایس ایم کاظمی، جناب سید خرم رضا، جناب پرکاش مشرا اور جناب شنکر گپتا اعظمی وغیرہ معروف صحافیوں نے خطاب کیا۔ جناب ایس ایم کاظمی نے اپنی گفتگو میں کہا کہ آج میڈیا اور مدارس دونوں ایک دوسرے کے سلسلے میں غلط فہمی کا شکار ہیں، دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ میڈیا کی ذمے داری علم کی اشاعت، انسانیت کی تبلیغ اور مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ جناب خرم رضا نے کہا کہ میڈیا کے اندر سیاستدانوں اور سرمایہ داروں کی مداخلت کافی منفی اثرات مرتب کررہی ہے، اس کا تدارک ضروری ہے۔ جناب پرکاش مشرا نے اپنی گفتگو میں میڈیا کی موجودہ صورتحال پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یقیناً میڈیا میں موجود غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہیے۔ جناب شنکر گپتا اعظمی نے میڈیا کے اوپر سرمایہ داروں کے اثرات پر گفتگو کی اور اس کے منفی نتائج پر روشنی ڈالی۔ میڈیا سیشن میں صحافیوں کا مشترکہ خیال تھا کہ ''مدارس عموماً میڈیا والوں سے ربط وتعلق نہیں رکھتے، جس کی بنا پر غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، لہٰذا میڈیا والوں کو مدارس سے قریب کرنا ہوگا، اس سے غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا، اس دیش میں اگر بعض لوگ مدارس کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو کوئی بات نہیں ہمارے جیسے لاکھوں لوگ جمہوریت کی بقا اور اس کے تحفظ کی خاطر سر کٹانے کے لیے تیار ہیں''۔ اس موقع پر صحافیوں کو جشن طلائی کا مومنٹو پیش کیا گیا، ناظم جامعہ مولانا طاہر مدنی نے جناب ایس ایم کاظمی اور پرکاش مشرا کو مومنٹو پیش کیا، جناب ڈاکٹر خلیل نے خرم رضا کو، جناب پرواز رحمانی نے معین اختر کو، اور مولانا نظام الدین اصلاحی نے جناب شنکر گپتا جی کو مومنٹو پیش کیا۔

قرارداد

جشن طلائی کے اختتام پر حاضرین کی تائید کے ساتھ درج ذیل قرارداد منظور کی گئیں:

(۱) مدارس اسلامیہ حفاظت دین اور اشاعت دین کا قلعہ ہیں، چنانچہ دین کے قرآنی تصور کو عام کرنے کی مسلسل جدوجہد کو نظام تعلیم کا حصہ بنایا جائے۔ (۲) شرکاء کا احساس ہے کہ

ہر زمانے میں مدارس سماج کے خدام پیدا کرتے رہے ہیں، ادھر مدارس کے فارغین کے اندر سے یہ خو رخصت ہوتی جارہی ہے، مدارس کے اساتذہ کرام ہی اپنی سادگی، بزرگی اور للّٰہیت کے ذریعے طلبہ کے اندر خدمت دین وقوم کے جذبے کو پروان چڑھا سکتے ہیں۔ (۳) جامعہ نے طلبہ کے ساتھ طالبات کی اسلامی طرز پر تعلیم وتربیت کی کوشش کی ہے، نئی نسل کی علمی، فکری اور عملی تربیت کے لیے جامعہ دیگر مدارس کو اس میدان میں پیش قدمی کی دعوت دیتا ہے۔ (۴) مدارس کی کامیابی وسعت نظری، کشادہ قلبی، رواداری اور اتحاد ملت کی دعوت میں پنہاں ہے، چنانچہ ضرورت ہے کہ فقہ مقارن کو اپنے نصاب میں بلا تردد شامل کیا جائے۔ (۵) فضلاء مدارس عصری دانش گاہوں میں مدارس کے نمائندے اور نقیب ہوتے ہیں، گولڈن جوبلی کا یہ اجلاس ان سے اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ جس تربیت کے حصول میں عنفوان شباب کا انتہائی قیمتی حصہ وہ لگا چکے ہیں، اس کے اثرات کو باقی رکھنے اور جلا بخشنے کی سعی ہمہ وقت جاری رکھیں۔ (۶) گزشتہ سوسالوں سے جدید نافع اور قدیم صالح کی جستجو جاری ہے، جامعہ اس موقع پر متنبہ کرتا ہے کہ اس نازک موڑ پر جدید نافع قدیم صالح پر غالب نہ آجائے بلکہ دونوں کے درمیان ایک صالح توازن قائم رہے۔ (۷) شرکاء کا احساس ہے کہ فکر اسلامی کی تشریح میں تمام مکاتب فکر، مدارس اسلامیہ اور دینی جماعتوں کی خدمات کے اعتراف کے باوجود آج دور حاضر میں اسلام کی دانشورانہ وکالت کی ضرورت ہے، چنانچہ روایت پرستی اور تقلید جامد کے بالمقابل اجتہاد وبصیرت کے ذریعے زمانہ شناس نصاب تیار کرنے کی جدوجہد میں شامل ہونے والے تمام اقدامات کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔

طلبہ کا تعلیمی مظاہرہ

گولڈن جوبلی کے تیسرے دن بعد نماز مغرب جمعیۃ الطلبہ کی جانب سے تعلیمی مظاہرہ پیش کیا گیا جس کی صدارت جامعہ کے مہتمم مولانا رحمت اللہ الاثری فلاحی نے کی اور نظامت کے فرائض جناب فرحان اجمل متعلم عربی ہفتم نے۔

اس موقع پر سکریٹری جمعیۃ الطلبہ اسامہ عظیم نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا، انھوں نے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کا بھرپور خیر مقدم کیا، ان کے بعد طلبہ نے اردو، عربی، ہندی اور انگریزی میں تقریریں کیں۔ شاہ زیب نے اردو زبان میں ''دینی علوم اور چیلنجز'' کے زیرعنوان مدلل تقریر پیش کی اور عمار جاوید نے عربی زبان میں ''قیادۃ العرب للعالم'' کے عنوان پر فصیح اور شستہ زبان میں تقریر پیش کی، ان کے بعد عبدالمتین عربی پنجم نے خالص ٹھیٹ ہندی زبان میں ''جہاد'' کے

موضوع پر تقریر کی اور سرفراز عالم نے انگریزی میں ''مسلم نوجوان اور اس کی ذمہ داریاں'' کے عنوان پر تقریر پیش کی۔

تقریروں کے بعد محمد ابراہیم عربی دوم نے اپنی ٹیم کے ہمراہ ایکشن کے ساتھ ''ہم نیکی کے جاں باز سپاہی، نیکی کو پھیلائیں گے'' اس انداز میں پیش کیا کہ واہ واہ اور تالیوں کی آواز سے پورا میدان گونج اٹھا اور انعامات کی بوچھار ہونے لگی۔

اس ایکشن ترانہ کے بعد ایک تمثیلی مشاعرہ بھی پیش کیا گیا جس میں مرزا غالب، علامہ اقبال، فیض احمد فیض، ابوالمجاہد زاہد، حفیظ میرٹھی، عامر عثمانی کے رول میں طلبہ نے منتخب کلام پیش کیے جسے لوگوں نے بہت زیادہ پسند کیا۔

اس تمثیلی مشاعرہ کے بعد ''سیاست کا کھیل'' کے عنوان پر انتہائی سبق آموز ڈرامہ پیش کیا گیا، جس کو موجود سامعین وحاضرین نے بہت سراہا، اس میں دہشت گردی کے نام پر کس طرح بے گناہ مسلم نوجوانوں کو گرفتار کیا جاتا ہے، اس کے پیچھے کس طرح کی ذہنیت کام کرتی ہے اور بم بلاسٹ کے بعد میڈیا کا کیا رول ہوتا ہے، وہ کس متعصبانہ ذہنیت کو پیش کرتا ہے اور ایک طبقہ کو بدنام کرتا ہے اور کس طرح ملزموں کی پٹائی کر کے پولیس جرم قبول کرواتی ہے اور سیاست داں کیسے کیسے وعدے کرتے ہیں، اس ڈرامہ کو اس انداز سے پیش کیا گیا کہ بعض مرد وخواتین اسے دیکھ کر رونے پر مجبور ہو گئے۔

آخر میں نگران اعلیٰ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی نے کلمات تشکر پیش کیے۔ اس کے بعد مولانا رحمت اللہ الاثری صاحب نے اپنے صدارتی خطاب کے دوران کہا کہ طلبہ وطالبات کے اندر بے پناہ صلاحیتیں من جانب اللہ موجود ہوتی ہیں اس کا صحیح اندازہ کرنا اور ان کو صحیح رخ دینا اساتذہ اور معلمات کا اہم فریضہ ہے۔ اس موقع پر جامعہ کے اساتذہ سمیت بڑی تعداد میں طلبہ وطالبات اور قرب وجوار کے مرد وخواتین موجود تھیں۔ اس طرح دیر شب گولڈن جوبلی تقریبات اختتام پذیر ہوئیں۔

کلیۃ البنات-رپورٹ گولڈن جوبلی

جشن طلائی کی پرسعید وپرمسرت تقریب پر ۱۶/و ۱۷/نومبر ۲۰۱۲ء بروز جمعہ وسنیچر کلیۃ البنات میں خواتین و طالبات کے لیے خصوصی پروگرام کا اہتمام کیا گیا جو حسب تفصیل ذیل تین اجلاسوں پر مشتمل تھا۔

اجلاس اول: تعلیمی مظاہرہ بذریعہ جمعیۃ الطالبات

اجلاس کا آغاز صالحہ عبدالمنان متعلمہ فاضلہ اولیٰ نے کلام الٰہی سے اپنی پرسوز آواز میں کیا

پھر شائستہ متعلمہ فضیلت ثالثہ نے اپنی مسحور کن آواز میں حمد پیش کیا جس میں خدا کے بے شمار احسانات کا ذکر کیا، اس کے بعد زاہدہ مشتاق متعلمہ فضیلت ثالثہ نے درس قرآن پیش کیا اور سورۃ العصر کی جامعیت کو بڑے دلنشیں انداز میں بیان کیا، پھر خالدہ ریاض متعلمہ فاضلہ ثانیہ نے اپنی مترنم آواز میں نعت پیش کی، کلثوم طاہر عربی پنجم نے تحفظ شریعت کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تحفظ شریعت کے حق کی ادائیگی اسی وقت ممکن ہوسکتی ہے جب خدا اور رسول کی محبت اور ان کی رضا ہمارے دل میں ہو، اس کے بعد صوفیہ ارشد متعلمہ فضیلت ثالثہ (سکریٹری جمعیۃ الطالبات) نے رپورٹ جمعیۃ الطالبات پیش کی اور جمعیۃ کی ان سرگرمیوں سے متعارف کرایا جو مختلف شعبہ جات (لائبریری، شعبۂ صحافت، خطابت، رسائل و جرائد، کھیل وورزش) میں تقسیم ہیں، بعد ازاں شائبہ جہانگیر عربی دوم نے ''گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی'' کے عنوان کے تحت اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ماضی کے مسلمانوں کو جو مقام اور عظمت حاصل تھی وہ ان کی محنت اور ان کے علم کی بنیاد پر تھی۔ حیرت وافسوس ہے کہ آج ہم اپنے بزرگوں کے برعکس ہیں۔ اس کے بعد اسماء فیروز عربی چہارم نے ''اسلام اور ٹیررزم'' کے موضوع پر انگریزی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ پھر نحلہ سلامت نے عربی زبان میں نظم پڑھ کر لوگوں کے دلوں کو موہ لیا۔ اس کے بعد بشریٰ سراج اور حلیمہ سعدیہ فاضلہ ثالثہ نے ایک سبق آموز مکالمہ پیش کیا جس کا عنوان تھا: ''تھے تو آباء وہ تمہارے مگر تم کیا ہو؟'' اس میں انہوں نے یہ بتانے کی کوشش کی کہ استقامت وثابت قدمی کسی بھی قوم کے عروج کے لیے ضروری ہے اور یہاں وہی سرفراز ہوگا جو سر کی بازی بھی ہار جائے، پھر مروہ عظیم عربی دوم نے امت مسلمہ کی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور بتایا کہ زمانہ ہم سے ہے ہم زمانہ سے نہیں۔ بعد ازاں شائستہ متعلمہ فاضلہ ثالثہ اور ان کی ساتھیوں نے ترانہ پیش کیا جس سے پوری بزم میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔

بعد ازاں محترمہ عطیہ صدیقہ نے صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہماری وہ طالبات جنھوں نے تعلیمی مظاہرہ میں حصہ لیا اور مختلف پروگرام پیش کیا اور وہ معلمات جنھوں نے تربیت کرنے اور سکھانے میں معاونت کی قابل ستائش ومبارکباد ہیں۔ دیگر زبانوں میں مظاہرہ کرنے کا مقصد ہے ہم دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے اور دعوت اسلامی کو عام کرنے کا کام کریں گے۔

اجلاس دوم: خواتین کانفرنس بہ عنوان ''امت مسلمہ کا مستقبل اور خواتین کا کردار''

۱۷/نومبر۲۰۱۲ء بروز سنیچر بوقت ۳۰-۹ بجے ، مہمان خصوصی محترمہ ناصرہ خانم صاحبہ، حیدرآباد کی صدارت میں ہوا، کنویز محترمہ راشدہ فرح صاحبہ معلّمہ کلیۃ البنات تھیں۔ آغاز صالحہ عبدالمنان نے تلاوت کلام پاک سے کیا، بعدازاں محترمہ شبنم انور صاحبہ معلّمہ کلیۃ البنات نے درس قرآن پیش کیا جس میں انہوں نے سورہ صف کی چند آیات تلاوت فرمائی اور کہا کہ انسان کی قوت کا راز ایمان کی مضبوطی میں ہے۔

بعدازاں محترمہ ساجدہ صاحبہ فلاحی (معاون مہتمم کلیۃ البنات) نے افتتاحی کلمات پیش کیے، انہوں نے گولڈن جوبلی کے انعقاد کا مقصد اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہا کہ جامعہ اپنی پیش رفت کا جائزہ لے رہا ہے جو کچھ ہوسکا ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا اور مستقبل کے لیے عمدہ پلاننگ کرنا بنیادی مقصد ہے۔

اس کے بعد محترمہ آسیہ فلاحی صاحبہ (صدر معلّمہ شعبہ اعلیٰ وصدر انجمن طالبات قدیم) نے استقبالیہ کلمات پیش کیے اور دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے دوطرح کے احساسات کا ذکر کیا، ایک احساس جذبۂ تشکر کا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہمارے اس مدرسے کو اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہوئے اپنے پچاس سال پورا کرنے کی توفیق دی۔ دوسرا احساس یہ کہ کہیں ہم یا ہمارے ذمہ داروں کی طرف سے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ ہوئی ہو تو اس سلسلے میں ہم قوم سے معافی کے خواستگار ہیں اور ہر پہلو سے احتساب کررہے ہیں۔

بعدازاں ''نئی نسل کی تعلیم وتربیت اور خواتین کا کردار'' کے تحت سابق صدر معلّمہ کلیۃ البنات محترمہ سلمیٰ جلیل صالحاتی صاحبہ نے اپنا قیمتی مقالہ پیش کیا۔ اس کے بعد محترمہ تسنیم نزہت صاحبہ (ناظمہ حلقۂ خواتین جماعت اسلامی ہند، یوپی مشرق) نے ''اسلامی تہذیب وثقافت کا تحفظ اور خواتین'' کے ذیلی موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ پھر محترمہ غزالہ افروز صاحبہ گونڈہ (پرنسپل ھدی نرسری اسکول) نے ''عصری علوم کے رجحانات: فوائد ونقصانات'' کے تحت اپنے گراں قدر خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے بعد محترمہ عطیہ صدیقہ صاحبہ (کل ہند ناظمہ جماعت اسلامی ہند) نے فارغات جامعۃ الفلاح کی دعوتی ذمہ داریوں کے عنوان کے تحت اپنا پرمغز مقالہ پیش کیا۔ اس کے بعد محترمہ اسماء شمس صاحبہ (پرنسپل تقویٰ اسلامی اسکول، الہ آباد) نے ''دینی تعلیم سے اعراض اور اس کے نتائج'' کے موضوع کے تحت اپنا مقالہ پیش کیا اور دینی تعلیم کے حصول کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی۔

اس کے بعد ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے نازیہ حسن فلاحی گیاوی نے علامہ اقبال کی

ایک نظم اپنی مترنم آواز میں پڑھ کر محفل کو مسحور کرلیا۔ اس کے بعد محترمہ فاطمہ جلیل فلاحی صاحبہ (معلّمہ سراج العلوم، علی گڑھ) نے ''رسم ورواج کی پاسداری اور احکام شریعت'' کے عنوان کے تحت اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اس کے بعد مہمان خصوصی محترمہ ناصرہ خانم صاحبہ نے صدارتی خطاب پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کیا پھر کہا کہ جامعہ میں اتنی کثیر تعداد کو دیکھنے کے بعد خدا اور رسول سے سچی محبت کا اندازہ ہورہا ہے۔ امید ہے تمام شرکاء بحیثیت امت مسلمہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں گی اور بحسن وخوبی ادا کرنے کی کوشش کریں گی۔ آپ نے بتایا سب سے پہلے ہمیں خود چلتا پھرتا نمونہ اپنے عمل وکردار سے پیش کرنا ہوگا۔

اس کے بعد درجہ ششم کی ایک ننھی منی طالبہ زینت حمزہ نے علامہ اقبال کے احساسات کو غازیانہ انداز میں ایکشن کے ساتھ پیش کیا۔ اور پھر محترمہ آسیہ فلاحی صاحبہ نے کلمہ تشکر پیش کیا۔ اور گولڈن جوبلی کا مومنٹو محترمہ آسیہ فلاحی نے محترمہ ناصرہ خانم صاحبہ کو اور محترمہ سلمیٰ جلیل صالحاتی نے محترمہ عطیہ صدیقہ صاحبہ کو پیش کیا۔ اس اجلاس کا اختتام سمیہ ریاض فلاحی کی دعا پر ہوا۔

تیسرا اجلاس انجمن طالبات قدیم، جامعۃ الفلاح کا انتخابی اجلاس تھا۔ اس میں اگلے میقات کے لیے محترمہ نورالصباح فلاحی صاحبہ کو انجمن کا صدر منتخب کیا گیا۔ اللہ موصوفہ کو اپنے فرائض منصبی بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

توسیعی خطبات

(۱) ۱۱/اکتوبر۲۰۱۲ء کو ابواللیث ہال میں ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے ''دین میں ترجیحات-اہمیت اور تقاضے'' کے عنوان پر ایک توسیعی لکچر دیا۔ انھوں نے فرمایا کہ دینی احکام کے مابین مراتب کا فرق ہے، ان کا جاننا ضروری ہے تاکہ اہم کو غیر اہم اور غیر اہم کو اہم نہ سمجھ لیا جائے۔ تفقہ فی الدین اسی کا نام ہے۔ مولانا نے فرمایا: ایسے کام جو پورے معاشرہ کے لئے مفید ہیں ان کو ایسے کاموں پر ترجیح دینی چاہئے جو ذاتی ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ فروع کے بجائے اصول پر زیادہ توجہ دینی چاہئے۔ اسی طرح مقاصد شریعت کو بنیاد بنا کر ترجیحات کا مسئلہ آسانی سے طے کیا جاسکتا ہے۔ دعوت وتبلیغ اور فتاویٰ میں جہاں تک گنجائش ہو سہولت پیدا کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔ دعوت وتبلیغ میں تدریج کا لحاظ رکھا جانا چاہئے۔ پہلے ایمان پھر احکام بیان کئے جائیں۔ انھوں نے فرمایا کہ مامورات کی طرح منہیات میں بھی فرق مراتب کا لحاظ رکھنا چاہئے مثلاً محرمات کا درجہ

مکروہات سے بڑھ کر ہے۔

(۲) ۷رفروری ۲۰۱۳ء کو ناظم جامعہ نے دوسرا لکچر بعنوان ''کیف یتم تحقیق النجاح الدراسی'' دیا علمی کامیابی کے لئے انھوں نے دس اصول بیان فرمائے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) مقصد کی تمنا و آرزو (۲) خواہش کی تکمیل کے لئے پوری کوشش اور محنت صرف کرنا۔ (۳) اپنے بارے میں منفی سوچ سے دور رہنا۔ (۴) کامیابی کے بارے میں سوچنا اور اسے محبوب رکھنا۔ (۵) ناکامی کو ایک حادثہ اور تجربہ کے طور پر لیا جائے اس سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ (۶) ایمان اور امید سے دل کا لبریز ہونا۔ (۷) اپنی صلاحیتوں کو پرکھنا اور ان سے مناسب کام لینا۔ (۸) تصور عبادت کے ساتھ حصول علم میں لذت محسوس کرنا۔ (۹) کامیابی کے لئے اللہ پر بھروسہ کرنے کے ساتھ وسائل اختیار کرتے ہوئے اپنے اوپر اعتماد اور بھروسہ کرنا۔ (۱۰) کامیابی میں ننانوے فی صد حصہ انسان کی محنت اور کوشش کا ہے۔

مذکورہ بالا اصول کی تشریح کے بعد مولانا نے مذاکرہ اور امتحان کے تعلق سے بھی پر مغز باتیں بیان کیں۔

(۳) جامعۃ الفلاح میں ۱۱/۳/۲۰۱۳ء مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ ریاضی کے پروفیسر ظفر احسن نے 'قرآن اور سائنس' کے موضوع پر مدلل لکچر دیا۔ انھوں نے مختصر سے تعارف کے بعد کہا کہ قرآن کریم خود اپنے بارے میں کہتا ہے کہ یہ سارے عالم کے لئے نصیحت ہے کسی خاص قوم و برادری کے لئے نہیں اور نبی کریمؐ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اس لئے قرآن کے ساتھ ساتھ نبی کریمؐ کے پیغامات کو بھی سارے عالم تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔ انھوں نے لفظ اسلام کی تشریح کی اور کہا کہ قرآن وسنت کے مطابق خود کو وقف کر دینا ہی ہماری زندگی کا مقصد ہے۔

انھوں نے مزید کہا کہ قرآن نشانیوں اور آیات کی کتاب ہے، اس میں پوری کائنات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس سے سائنسی شعور پیدا ہوتا ہے کیوں کہ قرآن کریم میں قدم قدم پر کائنات پر غور وفکر کرنے کی تاکید کی ہے۔ قرآن کریم کی ابتدائی آیتوں میں ہی تعلیم حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ اس کے باوجود بھی ہم تعلیمی میدان میں بہت پیچھے ہیں جو ہمارے لئے شرم کی بات ہے جبکہ دوسری قومیں تعلیم کی ہی بدولت سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں ہم سے بہت آگے جا چکی ہیں۔ اسی کی وجہ سے پوری دنیا پر ان کی حکمرانی ہے۔ انھوں نے بڑے دھماکہ کے ساتھ کائنات کے وجود میں آنے کی سائنسی تحقیقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ قرآن میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ زمین و

آسمان ایک یونٹ کی طرح تھے ہم نے ان کو الگ کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ بعض سائنسدانوں نے جب قرآن کا مطالعہ کیا تو ایمان لے آنے پر مجبور ہو گئے۔

تقریب تقسیم انعامات

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کے زیر اہتمام جامعہ کے پوزیشن ہولڈر طلبہ وطالبات کی حوصلہ افزائی کے لئے ۱۸رفروری ۲۰۱۳ء کو ایک عظیم الشان جلسہ تقسیم انعامات منعقد ہوا جس میں پہلے طالبات کو اور پھر طلبہ کو حکیم محمد ایوب میموریل ایوارڈ سے نوازا گیا۔

طالبات کے پروگرام کا آغاز صالحہ عبدالمنان کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، محترمہ ہیڈ معلّمہ آسیہ فلاحی صاحبہ نے استقبالیہ کلمات پیش کئے۔ جناب وسیم احمد صاحب ریاستی وزیر برائے بیسک تعلیم نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ادارہ ایک مثالی ادارہ ہے جس کے ذریعہ امت مسلمہ کے بچے اور بچیوں کو بہتر تعلیم وتربیت فراہم کی جارہی ہے۔ طالبات کے درمیان وزیر تعلیم جناب وسیم احمد صاحب، ڈاکٹر ہلال صاحب ممبر ریاستی کمیشن راجستھان اور مولانا فضل الرحیم مجددی صاحب ناظم جامعۃ الہدایہ جے پور ممبر پلاننگ کمیشن آف انڈیا کے ہاتھوں انعامات تقسیم پائے۔

طلبہ کے پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، مہمانوں کی تکریم انجمن طلبہ قدیم کی جانب سے مثال پیش کر کے کی گئی۔ پوزیشن ہولڈر طلبہ کے درمیان سابق مہتمم وصدر مدرس جامعۃ الفلاح مولانا عبدالحسیب صاحب، مولانا فضل الرحیم مجددی صاحب اور دیگر مہمانوں کے ہاتھوں انعامات کی تقسیم عمل میں آئی۔ مہمان خصوصی مولانا فضل الرحیم مجددی صاحب نے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کی گھٹتی تعداد کے اسباب وعلل پر بھرپور روشنی ڈالی اور آخرش اس تقریب کا اختتام آپ ہی کی دعا پر ہوا۔

فلاحی برادران کو صدمہ

یہ اطلاع دیتے ہوئے ہمیں بے حد تکلیف ہو رہی ہے کہ جناب محمد دانش فلاحی (عالمیت: ۱۹۹۳ء) ۳۰/۱۱/۱۲ء کو حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم کافی خوش دل اور خوش مزاج تھے۔ اپنے فرائض کو بڑی تندہی اور امانت ودیانت سے ادا کرتے تھے۔ اپنے رفقاء اور میل جول والوں میں اپنے حسن اخلاق کی بنا پر محبوب اور ہر دل عزیز تھے۔ ادارہ 'حیات نو' مرحوم کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ موصوف نے پسماندگان میں تین معصوم بچے اور تین بچیاں چھوڑی ہیں جن کی کفالت کی ذمہ داری ان کے رفقاء پر عائد ہوتی ہے۔